إنما أنا قاسم والله يعطي

الحمد للہ والمنۃ کہ رسالہ

جواب ترکی بترکی

جسمیں آریہ سماج کے رسالہ میرٹھ کے جوابات بالہامی حضرت
حجۃ الاسلام والمسلمین جناب مولنا محمد قاسم صاحب
بانی دار العلوم دیوبند لکھے گئے ہیں اور اُنہی
طرز استدلال پر جواب دیا گیا ہے۔

باہتمام جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب مدفیوضہ

مطبع قاسمی واقع مدرسہ دیوبند میں طبع ہوا

انما انا قاسم والله معطی

الحمد للہ والمنۃ کہ رسالہ

جواب ترکی بترکی

جسمیں آریہ سماج کے رسالہ میرٹھ کے جوابات ہمارے حضرت
حجۃ الاسلام والمسلمین جناب مولانا محمد قاسم صاحبؒ
بانی دار العلوم دیوبند لکھے گئے ہیں اور اُسی
طرز استدلال پر جواب دیا گیا ہے

باہتمام جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب مدفیوضہ

مطبع قاسمی واقع دیوبند میں طبع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد سید المرسلین علی آلہ و اصحابہ اجمعین
بعد حمد و صلوۃ ناظران اوراق کی خدمت مین یہ گذارش ہے کہ رسالہ آریہ سماچار میرٹھ بابت ماہ اساڑھ
سمت ۱۹۳۹ رفتہ رفتہ رمضان شریف ۱۲۹۹ھ میں ہماری نظر سے بھی گذرا یون تو لالہ اندلال صاحب
نے جو بیوجہ عین سی اندلعل بن بیٹھے زائد پرچہ نجم الاخبار میں سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنایا ہی تھا
مگر جواب اعتراض مندرجہ نجم الاخبار ۱۲ مئی ۱۸۸۲ء میں تو وہ زور مارے ہیں کہ پسینہ پسینہ ہو گئے کہیں مونھ
کے اونٹے پر مونھ ہی کی کھائی کہیں گوہر بے بہا سمجھکر لپکے اور پھوٹی کوڑی ہی ہاتھ آئی کہیں بحث لفظی
میں جا کودے کہیں فرق مراتب میں جا اولجھے کہیں مضامین عالیہ کے دھوکے میں خرافات نشہ بازاں میں
اودھکے کہیں گرگٹ شتاب کی مانند اولٹے سیدھے کہیں جا چپکے خیر ہمیں تو یہ کہنا مناسب ہے مصرع
عمرت دراز باد کہ اینہم غنیمت ست + مگر اونکو کون شرما کہ تسپر بھی اعتراض مذکور جونکا توں رہا ہائے
افسوس کسی نے اونکو یہ نہ سمجھایا - آرزو میخواہ لیک اندازہ خواہ بر نتابد کوہ را یک برگ کاہ منشی صاحب
کی حقیقت معلوم اونکی استعداد کی کیفیت معلوم وہ تو وہ اونکے پیر و مرشد تو اس پہاڑ سے اعتراض کو
اوٹھا دو اور یہ بھی جو کچھ کیا در پردہ اونھوں ہی نے کیا ہوگا موافق شعر مشہور ؎ چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے
ستمگاری میں + ہے کوئی اور ہی اس پردہ زنگاری میں + کون نہیں جانتا کہ پنڈت جی ہی منشی جی
کے سر بول رہے ہیں مگر کہنے کو خاکا تو منشی جی کا اوڑیگا معلات مندرجہ رسالہ کے بدلے اودھر سے
بے نقط منشی جی ہی سنیں گے - لالہ صاحب آپنے اپنا کام کیا ہوتا مباحثہ علمی میں آپنے ناحق پاؤں اڑایا

اور چوٹ کھائی اپنی زبان کو اپنے موںھ میں لئے بیٹھے رہتے تو اچھا تھا غنچۂ لب سبز سے
بادِ صبا کو ضد نہ تھی ، موںھ کھلا گل کا تو دامن بھی ہوا پھر چاک چاک ، لالہ صاحب آپکے مضامین
کی حقیقت جن پر آپ کو ایسا ناز ہے جیسے حسینوں کو اپنے رخ و کاکل پر ہوا کرتا ہے وہ تو
آپ کو تفصیلوار کھلتی جائے گی پر آپکے اوس ناز بیجا کا جتانا بھی میرے ذمہ ضرور ہے جس میں
بزعم خود آپ نہ بہانہ مثل عین فے زبر عف غین فے زبر غف میرا نام محمد یوسف ہمارے حضرت پیغمبر
صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت یوسف علیہ السلام کی توہین کا دم بھرتے ہیں لالہ صاحب آپ
کسی مکتب میں پڑھتے تو یوں نہ فرماتے پاد ہاسی پڑتا ہے آپ اب جو فرماؤ بجا ہے خود فہم نہ تھا
تو کسی اور ہی سے پوچھ لیا ہوتا کہ مثل مشہور عین فے زبر عف غین فے زبر غف میرا نام
محمد یوسف میں اسم محمد یوسف کی تعریف ہے توہین نہیں یہ مثل ایسے موقع پر استعمال کرتے ہیں
جہاں مطلب و مقصد عالی ہو پر سامان خراب ہو اور غرض یہ ہوتی ہے کہ ان سامانوں سے اس
مطلب عالی کا حصول معلوم سو جیسی مطلب کی خوبی اور سامانوں کی خرابی میں وہاں اشارہ
ہوتا ہے اسم کی خوبی اور ہجے کی خرابی کی طرف یہاں پہلے اشارہ ہوگا مگر آپ یوں تو
کاہیکو سمجھیں گے آپ کی اصطلاحوں میں آپ کو سمجھانا چاہئے - لالہ صاحب سُنئے کسی حاکم
کا پیادہ روز آتا تھا اور لالہ لوگوں میں سے ایک نہ ایک کو پکڑ کے لیجاتا تھا اور گوشت تلواتا تھا
ایک بنیا بنینی کے پاس بیٹھ بیٹھ کہا کرتا میرے پاس کبھی وہ پیادہ آیا تو دیکھنا کیسی بات سر پر
صحیح کرتا ہوں اونکی قسمت سے ایک دن اُن کے گھر بھی آ پہونچا باٹ ترازو بغل میں دبا لالہ کو بھی جانا
ہی پڑا بسٹ کر آئے تو بنینی نے کہا لالہ تم تو بہت کچھ کودا کرتے تھے وہ بہادری کہاں گئی لالہ تو بولے
کہا اوت کی اوت اغل گئی ہے بنئے کی مار یہی ڈنڈی کی مار وہ ڑی ماس تھا تو نے مخا چار سیر ہی
او تارا ہے غرض جیسے وہ لالہ ڈنڈی مار کے حاکم اور پیادہ کو مار آئے تھے ایسے ہی آپ بھی لالہ صاحب
اپنی فہم کا خاکا اوڑا کر اسم مبارک محمد یوسف کا خاکا اڑاتے ہیں ورنہ اہل زبان کے نزدیک تو اس مثل
میں نہ اسم کی توہین نہ مسمّی کی تذلیل اگر ہے تو تعریف اسم و مسمّی ہے مطلب یہ ہے کہ ایسے نا ربط ہجوں سے
ایسا موزوں نام حاصل نہیں ہو سکتا جس کا حاصل وہی خوبی اسم مسمّی نکلتی ہے مگر آپ اپنی لیاقت
کے موافق سمجھ کر بینوں پر آ گئے اور گورِ منکوس کی طرح موںھ پر جوتا یا بکنے لگے - لالہ صاحب اول

تو یہ سمجھنا اپنی ہی بے سمجھی کا سمجھانا ہے اور ایسی اُلٹی سمجھ ہی تھی تو پیٹ میں رکھنا تھا اور فرض
کیا نظم دشوار تھا تو کیا مونہہ کی راہ اوگلنا تھا اور وہ بھی ہمارے سامنے جسکے یہ معنی کہ ہمارے پیشوایان
دین پر آوازہ کستے ہیں تو ہمیں کو سُناتے ہیں ہماری سُنئے اِسکے جواب میں تمکو کچھ کہے تو تم کس
کھیت کے بتھوے ہو اور موافق مثل مشہور کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا تمہاری حقیقت ہی کیا ہے
جو تمکو کہکے دل کے ارمان نکلیں اور تمہارے بڑوں کو سُنائیں تو اون بیچاروں کا کیا قصور اور کچھ نہ کہئے تو
موافق مصرعہ مشہور ہماری جان گئی آپ کی ادا ٹھہری لو آپ اپنے کب میں ہو یوں باز آجائیں حاکموں
تک جائیں تو وہاں ہندو لوگ موجود ادھر مقدموں کی پیروی کو روپیہ چاہئے وہ کہاں سے آئے
پھر آپ بوجہ یوں کہنے کو تیار کہ جواب نہ آیا تو حاکموں تک قصہ پہونچا یا غرض کوئی صورت سمجھ میں نہیں
آتی فقط تسلی ہے تو اس مثل سے ہے کہ کھانا گو رائیگاں گیا پر بنئے کی حقیقت تو معلوم ہو گئی غرض ان
باتوں سے آپ کی لیاقت کھل گئی پھر اسپر طرہ اور بڑھکر یہ کہ آپنے کو بصراحت لکھا پر اپنے اشاروں میں
ہمارے دعوی کو مدلل کر دیا ناظران اوراق اگر حقیقت شناس ہونگے تو یہ خود سمجھ جائیں گے کہ واقعی
اعتراض مذکور لاجواب ہے یعنی وقت جواب مونہہ کی وہی آتا ہے جو مونہہ کی کھاتا ہے مردان دلاور
معرکۂ جنگ میں دشنام زبان پر نہیں لاتے اور دانشوران علم پرور مناظرہ میں خلاف تہذیب
کسیکو نہیں سُناتے البتہ زنانے ہیجڑے نامردے کمینے ضرب پاپوش کے بدلے گالیاں دیا کرتے ہیں اور
جاہل نادان کودن بے ہنر جواب کے بدلے دشنام سے کام لیا کرتے ہیں اب بجز اسکے اور کیا کہئے مرحبا
آفریں ہزار آفریں۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند کیا مزے کی بات ہے کہ آپ برا کہیں اوروں کو اور بھلائی
نکلی آپ کی لا الحاصل چاند پر خاک ڈالنے سے چاند کا تو کیا نقصان ہاں خاک ڈالنے والے کی لیاقت عیاں
ہو جاتی ہے اور کیوں نہ ہو جہاں عقل سے کام نہ لیا جاوے وہاں اور کیا کیا جائے اگر عقل تھوڑی بہت
کہیں سے مل جاتی تو یہ بات سمجھ میں آجاتی کہ مثالوں پر اس قسم کی گرفت وہ بھی جسمیں پیشوایان مذہب کیطرف
تعریض ہو نہ مناظرہ میں داخل نہ آدمیت کے مناسب مثالوں میں فقط اسناد دیکھا جاتا ہے کہ مثل بالا پر منطبق
ہے یا نہیں یہاں یہ غرض تھی کہ جیسے ان بحروں و اس گوہر ان میں کچھ ارتباط نہیں اسیطرح دلائل و مطالب
میں ربط بے ارتباطی ہو اس انطباق کی تصحیح و تغلیط کے بدلے فقط برائے دل آزاری کچھ اور سنانے لگے اور یہ
نہ کرتے تو کیا کرتے اہل اسلام سے مقابلہ تھا اور موافق مصرعہ مشہور شکن۔ ہوا جو اسلام کے مقابل وہ سکی

جوتی دیکھا ہے ویوں صدہا برائی کی امید نہ تھی چاروناچار اختیار کیا اور یوں اپنے جوہر اوگلے القصہ نہ
تمثیل مذکور میں اہل فہم کے طور پر اسم مبارک محمد یوسف کا خاکا اوڑتا ہے اور نہ خجالت کی تمثیل ہے ہاں
آپکی فہم کا اس بدفہمی سے خاکا اوڑتا ہے اور اس تمثیل کو خجالت کی تمثیل کہنے سے اہل معنی اور اہل
زبان دونوں کے نزدیک آپکو خجالت لازم ہے سبحان اللہ کیا موزوں اور کیا محاورہ دلچسپ ہے اردو کی
ٹانگ توڑ کر آپ بھی منشی بن بیٹھے لالہ صاحب یہ بحث علمی ہے پرچون کی دوکان نہیں جو کسی یاد ہے
دھو بچا پوچا سیکھا اور دوکان کے ٹھیرا آبیٹھے اگر آپکو مناظرہ کرنا ہے تو اہل علم کی طرح کیجیے اور اپنی زبان
کو جانے دیجیے ورنہ مونہہ کی بات دوڑ جاتی ہے اس زبان کے پیچھے دیکھیے آپ کو کیا کیا اوگلنا اور نکلنا
پڑے اب تو جو کچھ ہوا سو ہوا آیندہ ہم عرض کیے دیتے ہیں شعر مومن + ہم نکالیں گے سن اے موج ہوا بل تیرا
اوسکی زلف کے اگر بال پریشاں ہونگے + درخانہ اگر کس است یک حرف بس است۔ اب لازم یوں ہے
کہ لالہ صاحب کے جواب کی قلعی کھولیے ناظران اوراق ہشیار ہو بیٹھیے بنام خدا کیسے کیسے مضامین باصفا آپکے
گوش معلی کے نذر کرتا ہوں کسی معترض نے کہا تھا کہ بنا خداوندی خدا کی غیر مخلوق ہونے پر ہے مادہ مجوزہ
پنڈت صاحب اگر غیر مخلوق ہوا تو مادہ کیا ہوا دوسرا خدا نکلا اوسپر حضرت مجیب فرماتے ہیں خدا کی صفات
کی تعداد نہیں سب اکٹھے ہوں تو خدا ہو فقط غیر مخلوق ہونے سے خدائی کو کیا علاقہ یہ تو معترض اور
حضرت مجیب کا جھگڑا تھا اب ہمارا فیصلہ کی سنیے ایسے لوگ تو پہلے بھی ہوئے ہیں کہ اوروں کی نہ سمجھیں
پر ایسے نہ ہوئے ہونگے کہ ماشاء اللہ اپنی بھی نہ سمجھیں یہ منصب ہمارے حضرت مجیب ہی کو نصیب ہوا ہے آپ
کوئی حضرت سے جا کر پوچھے کہ علت و معلول و ملزوم و لازم کا ارتباط باہمی چھپا نہیں ہے تا خدائی کو سب صفات
سے کیا علاقہ خدائی کسی نسخہ کا مزاج مرکب نہیں جو بھی اجزا کے اجتماع کی ضرورت ہو تو پھر صفات معلول
ذات ہوتی ہیں ذات اور مناصب ذاتیہ کو معلول صفات کہیں نہیں سنا تھا مگر اس کلجگ میں پنڈت
جی اور اونکے چیلوں کی برکت سے یہ بھی دیکھ لیا افسوس علم اوٹھ گیا ایسے لوگ پیشوائی کرنے لگے جنکو پس و پیش کی
تمیز نہیں پھر بہار و غضب تو یہ ہے کہ ایسوں سے پالا پڑا ابھی تو کیسے عالی فہم معترض کو جی میں آتا تھا یہ شعر حسب حال
معترض و مجیب پڑھوں + ظہور حشر نہ ہوا لئی آخرہ۔ مگر یہ ڈر ہے حضرت مجیب کے جبین نازک پر بل پڑجائیگا اسلیے
ع + نہیں پڑھتا نہیں پڑھتا نہیں پڑھتا نہیں پڑھتا لیجیے لالہ صاحب کیسے دو شعر دلچسپ آپکے حسب دلخواہ
دماغ سے اوتار کر لاتا ہوں اور آپکو سناتا ہوں + اپنی ناکامی تو تھی ہی سخت جانی کے سبب + قاتل نازک

بھی لوہکو ترسانا پڑا۔ قاتل بیدرد تو اپنی سی ہمدم کر چکا۔ ابھی اوسکی نزاکت ہی پر مرجانا پڑا۔ لالہ صاحب آپنے اپنا
تو بہت زور مارا پر افسوس بال بھی نہ اوکھڑا بال کی کھال نکالتا ہوں تو اپنی موشگافیاں اگنگان جاتی ہیں اور
بات کو اوبھی چھوڑتا ہوں تو اوروںکی اوبجھنے کی دور اندیشیاں جان کھاتی ہیں خیر آپ توقع فہم کسی سے فہم ہی کو
ہو تو ہو مگر ہاں یوں سمجھا کر دوتی پیڑو وغیرہ کی پڑانی تعلیم کے تعلیم یافتوں ہی سے شاید کسیکی نظر پڑ جائے تھوڑا
بہت عرض کئے دیتا ہوں سولہ چار کا جذر ہے دوکا آٹھ گنا چار کا چوگنا آٹھ کا دونا بارہ کا ایک اور ایک ثلث
بھی ہے اور منقسم بمتساوئین بھی ہے مگر اوسکی زوج ہونے کا مدار فقط انقسام بمتساوئین پر ہے اور صفات
کو اوس سے علاقہ نہیں ہاں جسکو فہم سے علاقہ نہو اوسکے نزدیک سولہ کی زوجیت کو اوسکی اور صفات سے بھی علاقہ
ہو تو ہو اور سنئے آتش مصدر حرارت ہے منور بھی ہوتی ہے سرخ و سبز بھی ہوتی ہے نازک و لطیف بھی ہوتی
ہے خشک و آبدار بھی ہے مگر اوسکے آتش ہونیکا مدار اوسکی مصدریت حرارت پر ہے اور صفات پر نہیں ہاں فہم
نہو تو جسکو چاہو اوسکا مدار بناؤ اور سنئے آفتاب گول بھی گرم بھی ہے ایک فاصلہ خاص پر بھی ہے جسکے
سبب کسی سیارہ سے نیچا اور کسی سے اونچا ہے اور اوسکے ساتھ مصدر النور بھی ہے مگر سب جانتے ہیں کہ اوسکی
خود روشن ہونے اور اوروںکے روشن کرنے کیلئے فقط اوسکا مصدر النور ہونا درکار ہے ہاں کودن
بیوقوف تمام اوصاف کو وہ پر اوسکی روشنی اور روشن کرنیکو چسپاں کریں تو کون مانع ہے دو انگشت
کی زبان اور چھوٹا سا قلم کافی ہے اور سنئے معشوق لوگ جیسے حسین ہوتے ہیں ایسے ہی اور اوصاف
بھی اونمیں ہوتے ہیں مسلمان بھی ہوتے ہیں کافر بھی ہوتے ہیں شریف بھی ہوتے ہیں رذیل بھی ہوتے
ہیں اور قوموں میں سے بھی ہوتے ہیں لالہ لوگوں میں سے بھی ہوتے ہیں خوش اخلاق بداخلاق
سخی بخیل وغیرہ بھی ہوتے ہیں یورپین بھی ایشیائی بھی افریقی امریکی بھی مگر سب جانتے ہیں اونکے معشوق
ہونیکا مبنی اونکے حسن و جمال پر ہوتا ہے اور اوصاف پر نہیں ہوتا ہاں عقل کو طاق میں اوٹھا رکھئے تو پھر
جسکو چاہو معشوقیت کا مبنی بنا دو اور سنئے بادشاہان دنیا حسین بھی ہوتے ہیں کریہ بھی ہوتے ہیں قوی
بھی ہوتے ہیں ضعیف بھی ہوتے ہیں ہنرمند بھی ہوتے ہیں بے ہنر بھی ہوتے ہیں ہر قوم کے ہوتے
ہیں ہر ملک کے ہوتے ہیں مگر اہل فہم کو معلوم ہے کہ اونکی بادشاہت و سلطنت کی بنا اونکے تسلط پر ہوتی
ہے اور اوصاف کو اوس سے کچھ تعلق نہیں ہوتا ہاں عقل کے دشمن جس بات کو چاہیں بناء سلطنت بنادیں
ان چار پانچ مثالوں پر قناعت کرکے اہل فہم کی خدمت میں یہ گذارش ہے کہ خدا اوسکو کہتے ہیں جو خود موجود

کسی اور کے وجود پر اوسکے وجود کا سہارا نہو چنانچہ لفظ خدا خود اسپر شاہد ہے حقیقت شناسان عالی فہم
تو درکنار فقط زبان دانان سخن سنج بھی اتنی بات سمجھتے ہیں گو لاالاستدلال صاحب باینوجہ کہ وہ مثالی الذی نہ
اولی الذی اتنی بات بھی نہ سمجھتے ہوں مگر جب خدا ہی اسکا نام ٹھیرا کہ وجود خانہ زاد ہو وجود مستعار نہو تو پھر ادنی
عقل والا بھی اسپر شاہد ہو سکتا ہے کہ مدار خدائی خداوند عالم فقط اوسکی غیر مخلوق ہونے پر ہے اور صفات کو
اوسمیں کچھ علاقہ نہیں ہاں فہم کو بغل میں دبا کر حیا کو مونہہ سے اوتار جو چاہو سو کہدو سو لاالاستدلال صاحب کا یہ
قول اگر اسی طور کا ہے تو ہم ہارے وہ جیتے ورنہ وہ خود بول اوٹھینگے اور دنیا کی ہنسائی اور آخرت کی روسیاہی
کا خود فکر کرلینگے اور علی رؤس الاشہاد یہ کہدینگے کہ خدا کی خدائی کا مدار بالبداہت اوسکی غیر مخلوق ہونے پر
ہے اور اس امر میں پنڈت جی کے طور پر خدا اور مادہ دونوں شریک اسلئے پنڈت جی کے چیلوں کو واقعی
دو خدا اونکا ماننا پڑیگا اور پھر اجزاء لاتتجزی کے لحاظ سے تو خدائی تعداد میں بندگی سے زیادہ رہیگی اور
پنڈت جی کی توحید بت پرستوں کی بت پرستی اور نصاریٰ کی تثلیث سے بھی بدتر ہوجائیگی اور یہ کہکر
امیدیوں ہے کہ پنڈت جی کا جنیو توڑ اور اونکی پنتھ سے مونہہ موڑ کسی مسلمان کے ہاتھ پر توبہ کر سچے دل سے
مسلمان ہوجائینگے مگر دیکھئے یہ سب باتیں فہم سے متعلق انصاف پر موقوف ہیں خدا کی ان باتوں میں
ضرورت ورنہ اس زمانہ میں چراغ لیکر ڈھونڈتے تو ان باتوں کا پتہ نہیں خیر وہ جانیں اونکا کام جانے ہماری بلا سے
ہمیں اپنے مطلب سے مطلب وہ کہئے جسکی ضرورت ہے یہ تقریر تو صاحب متوسط الفہم صاحبوں کے لئے تھی و ایک
تقریر اہل فہم کی نذر کیلئے بھی چاہتے اسلئے اول تو یہ گذارش ہے کہ فرق باہمی دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو
فرق مرتبہ دوسرا فرق حقیقت اول کی مثال درکار ہے تو ذرہ سے لیکر آفتاب تک مراتب نور کا تفاوت
ملحوظ رکھنے کے قابل ہے اور دوسرے نمونہ کی ضرورت ہے تو تباین انسان و اسپ و خر و فیل و شتر و گاؤ و
وغیرہ حیوانات پیش نظر رکھنے کے لائق ہے وجہ تسمیہ دونوں مثالوں سے ظاہر ہے یعنی نور ذرہ و کواکب و قمر و آفتاب
درحقیقت سب ایک حقیقت کے افراد میں اسی لئے سبکو نور کہتے ہیں ہاں کوئی نیچے کے مرتبہ میں ہے اور کوئی
اوپر کے مرتبہ میں اور انسان و اسپ وغیرہ کو کوئی نادان بھی افراد حقیقت واحدہ نہیں کہہ سکتا بلکہ بوجہ اختلاف
حقیقت ہر ایک کو ایک نوع جداگانہ سمجھتا ہے اور اسی وجہ سے ہر ایک سے جدی طرح پیش آتا ہے پہلے فرق کو جیسے
تفاوت مرتبہ کہتے ہیں ایسے ہی فرق تشکیکی بھی کہتے ہیں اور دوسرے فرق کو جیسے فرق ماہیت اور فرق حقیقت کہتے
ہیں ایسے ہی فرق تقسیمی بھی کہہ سکتے ہیں یعنی اس قسم کا فرق ہے جیسے فرض کیجئے سطح کو مختلف رنگ کر دیں

پر تقسیم کریں اور اوس تقسیم کے باعث کوئی ٹکڑا مثلث کوئی مربع کوئی دائرہ کوئی مخروط وغیرہ شکل اسکی ہو جیسے
سطح کے ٹکڑوں میں فرق خوشنمائی بدنمائی موزونیت غیر موزونیت گو ہو مگر اہل نظر کے نزدیک وہ سب
ٹکڑے سطح کے حساب سے برابر کے درجہ میں ہیں اور وہ فرق خوشنمائی وغیرہ اگر ہے تو طالبوں کے اعتبار سے ہے
سطح کے اعتبار سے نہیں ایسے ہی فرق حقیقت میں جسکو فرق تقسیمی بھی کہا ہے تقسیم کے حساب سے سب افراد
برابر کے درجہ میں ہوتے ہیں کسی صاحب شوق کے حساب سے گو باہم متفاوت المراتب ہوں یعنی یہ تفاوت
مراتب اس قسم کی افراد میں خارجی ہوتا ہے اصل کیطرف سے یعنی مقسم کیطرف سے نہیں ہوتا گو اوسکو بھی بلحاظ
شکل وصورت دوسری اصل کیطرف راجع کرسکیں اور افراد متفاوت المراتب میں یعنی جنمیں فرق مرتبہ بطور
حقیقت ہو باعتبار اصل و مقسم کے فرق ہوتا ہے دیکھ لیجئے آفتاب کا نور شدید ہے اور قمر کا اوس سے ضعیف
کواکب کا اوس سے کم غرض وہ نور جو اصل جملہ افراد نور ہے سب میں ایسی طرح یکساں نہیں جیسے مثلث مربع
وغیرہ میں سطح یکساں طور پر موجود ہے یعنی یہ نہیں کہ جیسے آفتاب کو مثلاً نور انیت میں فوقیت ہے ایسے ہی
مثلث کو مثلاً سطحیت میں فوقیت ہو عاقلوں کے نزدیک یہ باتیں واجب التسلیم ہیں ورنہ نادان خود خدا کے
گھر سے بقدر نادانی مرفوع القلم ہیں ہماری تو وہ کیا سنینگے جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو اور
سنئے اجتماع جملہ مراتب متفاوت فی الظہور تو فقط اوسی فرد میں ہوتا ہے جو مصدر وصف ہوتا ہے
اوسکے بعض افراد گو اور افراد سے وصف صادر میں زیادہ ہوں مگر آخر اوس مصدر سے پھر کم ہی ہوتے ہیں
یہی وجہ ہے کہ خدا کا وجود سب میں قوی اور جامع جملہ کمالات ہے اور اوروں کا وجود یہانتک کہ اوسکی
صفات کا وجود بھی اوسکے ہم پلہ نہیں ہو سکتا غرض چونکہ خدا تعالیٰ مصدر وجود ہے اور سوا اوسکے اوسکی
صفات تو ایسی طرح سے اوسکا پرتوہ اور اوس سے صادر جیسے شعاعیں پرتوہ آفتاب اور اوس سے
صادر اور مخلوقات ایسی طرح اوس سے اخذ اور قابل جیسے زمین وغیرہ آفتاب سے اخذ و قبول نور
کرتی ہیں اسلئے نہ صفات باری ہی وجود میں اوسکے ہم پلہ ہو سکتی ہیں اور نہ مخلوقات ہی اوسکی
ہمسر ہو سکیں ہاں اگر اور کو مصدر وجود ٹھہرائیے تو پھر خواہ مخواہ یہ کہنا پڑیگا کہ اوسکا وجود کسی اور سے لیا ہوا
یا ماخوذ او مستعار ہے کیونکہ باعتبار موصوف و صاف کے کل یہی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ اپنے موصوف ہی میں
سے نکلیں جیسے دیکھنے میں آفتاب کا نور اور آتش کی حرارت بظاہر کوئی یوں نہیں کہہ سکتا کہ آفتاب
کا نور کسی اور نیری اور آتش کی حرارت کسی اور حرارے ماخوذ ہے دوسرے یہ کہ کہیں اور سے کھینچ اپنے

اپنے موصوف پر واقع ہوں جیسے قمر کا نور اور آب گرم کی حرارت قمر کا نور اصل میں آفتاب سے نکلتا ہے اور
قمر پر واقع ہوتا ہے گو اوس کے بعد اوس سے نکلکر اوروں پر واقع ہو اور آب گرم کی حرارت اصل میں
آتش کا فیض ہے گو آب گرم آتش سے مستفیض ہو کر اوروں کو فیض پہونچائے یعنی گرم کرے اور
جب باعتبار موصوف یہ دو قسمیں ہیں تو تیسری قسم یہ اب نکل آئی کہ نہ مصدر کیطرف منسوب ہو اور نہ محل
کیطرف بلکہ خود اپنی طرف منسوب کر کے دیکھیں مگر یوں دیکھیں گے تو یہی کہنا پڑیگا کہ نہ وہ مصدر ہے نہ محل ہے بلکہ
اوروں سے صادر ہوا اور اوروں کا پرتو ہے مگر جب یہ انحصار ہے اور خدا کو فرض کرو موجود ہو کر مصدر وجود
نہیں تو یہی کہنا پڑیگا کہ اوسکا وجود کسی اور سے مستعار اور ماخوذ ہے یا اوروں سے صادر اور اوروں کا پرتو
اور اسلیئے مصدر وجود اور ماخذ وجود سے اوسکو وجود میں کم کہنا پڑیگا اور بشرط مساوی قابلیت قرب و بعد من
المصدر اوروں کی برابر یعنی جو افراد مصدر وصف نہیں ہوتے وہ قابل وصف ہوتے ہیں اور قوابل میں بقدر
تفاوت قابلیت اور نیز بقدر قرب و بعد مصدر آمد وصف مقبول میں فرق ہوتا ہے آئینہ مثلاً اور اجسام
سے زیادہ قابل ہے اوسمیں نور آفتاب بھی اوروں سے زیادہ آتا ہے پھر اگر وہ آئینے مثلاً صفائی اور جلا
میں تو برابر ہوں مگر ایک آفتاب سے قریب اور دوسرا بعید تو نور میں بھی اوسیطرح فرق کمی بیشی ہوگا جیسے
حرارت میں بوجہ قرب و بعد آتش و اجسام مقابلہ فرق نمایاں ہوتا ہے غرض اس صورت میں اور جو کوئی
قابلیت وجود میں خدا کی برابر ہوگا پھر مصدر وجود سے قرب و بعد میں بھی خدا کے ہم پلہ ہوگا تو وجود میں بھی
اوسکے برابر رہیگا مگر جب اوسکو صادر یا قابل وجود مانا تو یہ بھی لازم ہے کہ خدا نہو خدا کو یہ لازم ہے کہ وجود
میں اوروں کا محتاج نہو اور محتاج نہیں تو صادر و قابل بھی نہوگا اور اسی وجہ سے اوسی مصدریۃ معروضہ کا
اقرار لازم ہوگا اور اس جامعیۃ کمالات وجود کو اوسی مصدریۃ کا ثمرہ کہنا پڑیگا اور یہ بات واجب التسلیم ہوگی
کہ مصدر بجامع جملہ مراتب وصف ہوتا ہے اور سوا اوسکے اور کوئی اوسکے اس کمال میں اوسکا شریک اور
ہمتا نہیں ہوتا مگر اس مرتبہ میں یعنی درجہ مصدریۃ میں فرق کا نام و نشان نہیں ہوتا ہے یہ فرق مراتب
صدور اور اوس وصف صادر کی اوروں پر واقع ہونے سے پیدا ہوتا ہے یعنی صادر اور مصدر میں صدور
سے اور مصدر اور محل وقوع میں بعد صدور وقوع اور عروض سے یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ مصدر وصف
صادر میں معروض سے زیادہ ہے اور صادر اور معروض اوس سے کم پھر معروضوں میں بھی اگر فرق ظہور
وصف نمایاں ہوتا ہے تو اس عروض ہی سے ہوتا ہے یعنی وصف صادر کی اثر و استفادۃ القابلیۃ پر

واقع ہونے سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ اوس محل میں وصف عماد زیادہ نمایاں ہے اور اس محل میں کہ
غرض یہ تفاوت بعد صدور و عروض ظاہر ہوتا ہے قبل صدور و عروض اُسکا پتا نہیں ہوتا اور اس لیئے
قبل صدور و عروض مرتبہ وصف مصدر میں ترکیب کا خیال و ہم بیہودہ کا کام ہے اہل عقل کو بساطت پر ایمان لازم
ہے کیونکہ ترکیب و ترکب کے لیئے تعدد اجزاء کی حاجت اور تعدد کو فرق اور تفاوت کی ضرورت جب
یہ نہیں تو وہی اتحاد و بساطت ہو گی ترکب اور ترکیب کی اوس مرتبہ میں گنجایش نہو گی الغرض سلسلہ مراتب میں
بساطت اور اتحاد اول ہوتا ہے اور فرق اور تفاوت بعد میں مگر افراد متفاوتہ الحقیقت کا قصہ اسکے برعکس ہے
وہاں وحدت بعد میں آتی ہے اور تعدد اول ہوتا ہے اجتماع بعد کو ہوتا ہے اور فرق اور افتراق اول
ہو لیتا ہے ظاہر ہے کہ دواؤں میں باہم فرق حقیقت ہے مثل مراتب نور و حرارت فرق مراتب مذکور نہیں
علی ہذا القیاس کاغذی بیل بوٹوں کی اجزا یعنی اون سطوح مختلف الاشکال میں بھی جن سے وہ بیل بوٹے
حاصل ہوتے ہیں وہی فرق حقیقت مذکور ہے فرق مراتب معروض نہیں سو نسخہ مرکب اور اوسکے مزاج مرکب
کی ہیئت ترکیبی جسپر دارومدار وحدت عارضہ ہے علی ہذا القیاس بیل بوٹوں کی وہ ہیئت حاصلہ جسکو ہیئت
ترکیبی کہتے ہیں اور جسپر اونکی خوش نمائی بدنمائی اور اوس وحدت کا مدار ہے جسپر وحدت اسم یعنی بیل بوٹا
مثلاً دلالت کرتا ہے بعد میں حاصل ہوتی ہیں اور وہ فرق و تعدد یا ہی پہلے سے موجود ہے الغرض پہلی
صورت میں وحدت مقتضای ذات اور لازم ذات اور اصلی اور ذاتی ہوتی ہے اور فرق اور تعدد اور تفاوت
خارج اور عارضی اور بالتبع اور بالعرض ہوتا ہے اور صورت ثانیہ میں فرق اور تعدد اور تفاوت توصلی
اور ذاتی ہوتا ہے اور وحدت اور بساطت خارجی اور عارضی جب یہ بات ممہد ہو چکی تو یہ بات معروض ہے
کہ علم و ارادہ قدرت لطف و قہر و عدل و غیرہ صفات جناب باری میں بالبداہت فرق حقیقت ہے فرق
مراتب نہیں اسلیئے انکے اجتماع سے جو امر وحدانی حاصل ہوگا اور بالیقین ایک امر عارضی اور خارجی
ہوگا سو خدائی کو اگر اون سبکی اجتماع پر موقوف کہیں جیسا جناب مہا پنڈت لالہ نند لال نے ارشاد
فرمایا اور ماوشما نے کیا ارشاد فرمایا ہے موافق مصرعہ مشہور۔ انچہ استاد ازل گفت ہاں میگویم۔ بڑے
پنڈت صاحب کی غرض اونکا صدقہ ہے تو یوں کہو خدائی مثل مزاج مرکب نسخہ مرکب ہے بذریعہ علم کیمیاوی اگر کسی
یورپین ڈاکٹر سے تحلیل اجزا کرالیں تو خدائی تو رفو چکر ہو اور اجزا معدومہ یوں ہی ادھر اودھر جب جیسے صاحب
اصول مینتق اور نیائے مل کہلا کہ خدا ایک مرکب چیز اور خدائی ایک مزاج مرکب ہے یوں کہو ایک ہیئت ترکیبی نکلی

سبحان اللہ پنڈت جی کی بنیہ میں بھی خدا کی کیا قدردانی ہے اسپر لالہ نندلال صاحب پنڈت جی کی بات
بات پر قربان ہوئے جاتے ہیں جی لالہ صاحب ابھی کچھ نہیں گیا سنبھلئے آنکھیں کھولیے ہوش میں آئیے ہوش
سے بولئے کون ٹھکانے کی کہتا ہے میں یا پنڈت جی اگر آپ ہماری جوتیاں سیدھی کرتے تو یوں
قدم قدم پر کیوں پسینے بھرتے شعر اگرت ذرہ در ہیران جستجو است ٭ بیا کیں ظرف راہ این راہ و دست
کیئے مار صاحب اور تو اور اب تو آپکو بھی یقین ہوگیا کہ آپ ہی بھی نہیں سمجھتے مرحبا آفریں ہزار آفریں آپکا مذہب
اسی قابل تھا کہ آپ اوسکو یوں رسوا کریں کیا مزے کی بات ہے لالہ صاحب بیٹھے تھے مدار خدائی بتلانے
خدا میں ترکیب ثابت کر گئے دیکھو کیا خجالت کی دلیل ہے مگر جہاں عقل سے کام نہ لیا جائے وہاں اور
کیا کیا جائے لالہ صاحب اب میں آپسے پوچھتا ہوں مدار خدائی خداوند برحق اگر اوسکی صفات کاملہ پر
اس طرح سے ہے جیسے مدار مزاج مرکب نسخہ مرکبہ اوسکے اجزا کی تاثیرات خاصہ پر تو اوسکا انجام آپکو معلوم ہی ہوگیا
علاوہ اسکے ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ ساری صفات اکٹھی ہوگئیں تو پوری خدائی ہی نہیں تو بقدر اجزا کچھ
خدائی کا حصہ ملگیا جسکا انجام یہ ہوگا کہ آپ بھی بوجہ تہمت علم و اخلاق حمیدہ ایک بڑے حصہ خدائی کے مالک
ہوئے بدیں لحاظ کہ نسخہ مرکبہ میں اگر ایک جزو کی کمی رہجائے تو تاثیر میں چنداں فرق نہیں رہتا اور اس لئے
اوس نسخہ کو اوسی نام سے تعبیر کرتے ہیں جو اوسکا نام ہوتا ہے یہاں بھی یوں ہی کہہ سکتے ہیں کہ آپ میں اور خدا
میں فقط اتنا ہی فرق ہے کہ وہ غیر مخلوق ہے آپ میں یہ بات نہیں اسلئے آپکے اور خدا کے مرتبہ میں چنداں
فرق نہوگا اور وہی لفظ خدا آپ پر بھی بولا جائیگا جو خدا پر بولا جاتا ہے اور اگر صفات خداوندی میں سے ہر ہر صفت
پر مدار خدائی ہے تو یوں کہو گھر گھر خدائی آگئی صفات مذکورہ میں سے کوئی نہ کوئی تو ہر کسی میں ہے اور جب
تو گھر گھر گنگا آگئی کیوں پنڈت جی کے چیلے بنے اور اونکا جنیو پہنا اور کیوں خدا کے بندے کہلائے اور فکر آخرت سر پر
لیا علم و فہم میں قدم رکھا ہی یا ہے خود تاج خدائی سر پر رکھ لو علم سے بڑھکر تو خدا کی صفات میں بھی کوئی صفت
نہیں نہ ہی جب بے محنت بے سوال تمہ آگیا تو خدائی میں کیا کسر رہگئی اور اگر صفات مذکورہ پر مدار خدائی نہیں تو
مدار کا ہے پر ہے اوسکے غیر مخلوق ہونے پر ہے اور اب یہی کہوگے تو ذرا چشم شرمگیں اوپر کو اوٹھا کر فرمائیے تو سہی
کہ مادہ مجوزہ پنڈت صاحب نے اسوقت کیا قصور کیا ہے جو وہ تو خدا نہوا اور خدا فقط خدا رہی منظور ہوئی
ایسی لنترانی تو نکو دیکھکر مجھکو یہ شعر یاد آتا ہے ؎ یوں حسن میں بتاں اور بھی کم اور زیادہ ہیں پر آپ جیسی
ایک ستم اور زیادہ ہے شخص فہم میں کم و زیادہ تو ہمیشہ سے ہوتے آئے ہیں پر یہ ستم کسی نے نہیں کیا کہ مدار

خدائی تمام صفات کو بتلا دے تھا عاشق کسی معشوق سے کچھ دور تھا وہ بڑے عہد سے نئے تو یہ دستور تھا
لالہ صاحب بغرض توضیح اتنا اور کہے دیتا ہوں کہ مدار اوسکو کہا کرتے ہیں کہ جسکا وجود و عدم کسی اور کے وجود
و عدم کا موقوف علیہ ہو اور وجہ مدار کہنے کی یہ ہے کہ مدار اصل میں اوس دائرہ کو کہتے ہیں جسپر حرکت واقع
ہو اور چونکہ حرکت مستدیرہ کو یہ لازم ہے کہ دائرہ حرکت یعنی مدار نہ چھوٹے ورنہ حرکت مستدیرہ پھر حرکت مستدیرہ
نہ رہے گی ایسے ہی ظہور آثار حقائق اشیاء کی لئے یہ لازم ہے کہ موقوف علیہ جو ہو نہ چھوٹے ورنہ پھر وہ چیز
نہ رہے گی بلکہ اوسکی حقیقت زائل ہو جائیگی سو اس قسم کی چیز حقایق بسیطہ کے حق میں سوائے حقیقت بسیطہ اور
اور کچھ ہرگز نہیں ہو سکتی اسکے بعد اہل فہم خود سمجھ جائیں گے گو امثلہ معروضہ میں مثلاً سولہ کو بجائے خود صفات
مذکورہ لازم یا عارض ہوں مگر مدار زوجیت فقط اوسکی انقسام بمتساویین پر ہے علیٰ ہذا القیاس اور مثالوں کو خیال
فرما لیجئے ایسے ہی ذات خداوندی کو صفات کاملہ گو بجائے خود لازم ہوں پر مدار خدائی فقط اوسکی غیر مخلوق
ہونے پر ہے اب لازم یوں ہے کہ کچھ اور کہئے سنئے لالہ صاحب یہ تو آپ کی چیں چپلن کا جواب تھا اپنی کوئی
جدی بات نہ تھی گو ایسی ایسی باتیں اسمیں بھی کہہ گذرا ہوں کہ آپکے ہوش ہی پران ہو گئے ہونگے اب ایک
جدی بات بھی سنئے جملے خبریہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جسمیں ایک صفت مثلاً کسی چیز کیلئے ثابت کیا
جائے جیسا یوں کہئے لالہ اندلال آریہ ہیں اس جملہ میں اندلال کیلئے آریہ ہونا ثابت کیا گیا ہے اس قسم کے
جملہ کو موجبہ کہتے ہیں دوسرا وہ جسمیں ایک چیز سے کسی صفت کی نفی کیجائے مثلاً یوں کہئے لالہ اندلال مسلمان
نہیں اس قسم کے جملہ کو سالبہ کہتے ہیں مگر اوس ثبوت کیلئے جو موجبہ میں ہوا کرتا ہے بالبداہت بھی اور
باتفاق عقلا بھی وجود مثبت لہ شرط ہے یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ لالہ اندلال حالت عدم میں بھی آریہ ہو جائیں بلکہ
اونکے آریہ ہونے کیلئے اونکا وجود شرط ہے غرض وجود مثبت وجود مثبت لہ پر موقوف ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ
خود ایک شی کا وجود نہیں اور اوس کیلئے کوئی وصف ثابت و حاصل ہو جائے عالم نہو اور اوسکا علم اوسکو حاصل
ہو قادر نہو اور اسکی قدرت اوسکو حاصل ہو بالبداہت تمام جہان کے نزدیک یہ بات محال ہے آریہ لوگوں سے
بھی پوچھئے تو وہ بھی یہی کہیں اور کیونکر نہ کہیں اسکی تسلیم میں کچھ بڑی عقل کی ضرورت نہیں ذرا سا فہم کافی ہے
مگر ہاں وجہ اس ضرورت کی شاید کسیکو معلوم نہو سو وہ ہم سے پوچھئے سنئے مفہومات مثبتہ یا یوں کہئے صفات
اور احوال وجودیہ وجود کے ساتھ یا ایسا رابطہ رکھتے ہیں جیسا دو میں اور زوجیت میں یعنی باہم لزوم ذاتی ہے
اور یا ایسا ارتباط رکھتے ہیں جیسے فرش کیسے سطح میں اور خطوط اشکال میں اگر از قسم اول ہوں تو اونکو تو لازم

ذات وجود سمجھنا چاہئے اور اگر از قسم ثانی ہوں تو اونکو عوارض اور احوال وجود سمجھنا چاہئے مگر ہرچہ
بادا باد اگر رابطہ لزوم ذاتی ہے تب ضرورت وجود ہے کیونکہ لازم ذات شے اوس شے سے جدا نہیں
ہوسکتا جو لازم ذات وجود ہوگا وہ وجود سے جدا نہ ہوسکیگا اور جدائی ممکن ہوئی تو پھر لزوم ذاتی نہیں
اور اگر رابطہ سطح وخط ہے تب وجود سے انفصال کی کوئی صورت نہیں کیونکہ اسوقت میں حاصل ارتباط یہ ہوگا
کہ جیسا خط بہ نسبت سطح ایک امر انتزاعی اور اوسکے کسی ٹکڑے کے حق میں ایک حد ہوتا ہے ایسے ہی مفہومات
مشتبہ وجود کی نسبت امور انتزاعیہ اور اوسکے کسی ٹکڑے کی حد ہونگے اور ظاہر ہے کہ امر انتزاعی اپنی منشاء
انتزاع سے اور حد اپنے محدود سے جدا نہیں ہوسکتا اور ہو تو کیونکر ہو انتزاعیات کا وجود کوئی وجود جداگانہ
نہیں ہوتا منشاء انتزاع ہی کا وجود اوسی طرح اونکے وجود کا کام دیتا ہے جیسا کشتی کی حرکت جالسان
کشتی کی حرکت کا کام دیتی ہے رہی یہ بات کہ انتزاعیات اور منشاء انتزاع کسکو کہتے ہیں اسکا جواب چند در چند
اسوجہ سے دشوار ہے کہ کہاں تک بندی کی چندی کیجے مگر کیا کیجے ایسے لوگوں سے پالا پڑا ہے کہ یہ نہ کیجے تو
پھر کام بھی نہیں چل سکتا یا میں خود اس کتاب کے ساتھ جاؤں اور سمجھاؤں یا بندی کی چندی کرکے
بتلاؤں ناچار یہی کرتا ہوں سنئے لالہ صاحب آپکی خاطر عزیز ہے انتزاعیات اصل میں مفہومات نسبیہ اور
مضامین اضافیہ ہوتے ہیں اور مفہومات نسبیہ اور اضافیہ اونکو کہتے ہیں جنکا ہونا اور سمجھنا دو اوروں کے ہونے
اور سمجھنے پر موقوف ہو یعنی جیسی نسبتہ جملہ مثلاً منسوب اور منسوب الیہ کے وجود کے بعد وجود میں آتی ہے اور
اونکے سمجھنے کے بعد سمجھ میں آتی ہے یعنی اوسکا تحقق اور تعقل اپنی دونوں طرفوں کے تحقق اور تعقل پر موقوف
ہے ایسے ہی جہاں یہ توقف ہوگا وہ مفہوم اضافی اون سے ہوگا مثلاً خط بدون دو سطحوں کے متحقق نہیں
ہوسکتا یعنی جب کسی سطح کو تمام کروگے یا جب کوئی سطح تمام ہوگی تو اوسکی دوسری جانب بھی ایک سطح
ضرور ہوگی خواہ سطح ثانی از قسم اول ہو یا کسی اور قسم کی سطح ہو یعنی زمین کا کوئی ٹکڑا لیجے تو دونوں طرف
اوس خط کے جو اوس ٹکڑے کی حد ہوگا سطح خاکی ہوگی اور اگر ساری روئے زمین لیجے تو ایک طرف سطح
خاکی ایکطرف سطح آبی ہوگی علیٰ ہذا القیاس اوپر تک پہنچے چلو اور بھی کچھ نہوگا تو ایکطرف سطح فلکی ہوگی مثلاً
تو دوسری طرف سطح بعد مجرد یعنی اس فضا کی سطح ہوگی جو ہر جسم کو محیط ہوتا ہے الحاصل خط اپنے تحقق میں
اپنی دونوں طرفوں کا محتاج ہے اور جب تحقق میں احتیاج ہے تو تعقل میں کیوں نہوگی کیونکہ تعقل یعنی
فہم تو ایک خبر حقیقت ہوتا ہے اسی لئے اون چیزوں کو جنمیں کسی حقیقت کا فہم ہوتا ہے خبریہ کہتے ہیں

بالجملہ خبر تو اصل کی مطابق ہوتی ہے اگر اصل میں توقف ہے تو یہاں پہلے ہو گا اور اسی تقریر سے یہ بھی سمجھ
آگیا ہو گا کہ ایسے مضامین کو انتزاعی کیوں کہتے ہیں یعنی جب ایسے مضامین ایسی طرح بین بین ہوئے جیسے خط
بین السطحین کہ ادہر دیکھو سطح ادہر دیکھو سطح اور پھر دونوں سطح باہم ایسی طرح متصل کہ کوئی چیز حائل نہیں تو یہ
کہو عقل ہی کھینچ کر ایسے مضامین کو باہر کر لیتی ہے ورنہ نظر ہر ادہر کا کہیں پتا نہ تھا بالجملہ اگر مفہومات مشتبہ کو وجود کے
ساتھ ایسا رابطہ ہے جیسا خط کو سطح سے یعنی وجود کے حق میں انتزاعی ہیں اور وجود اونکے حق میں منشا انتزاع
تب بھی یہ نہیں ہو سکتا کہ وجود نہو اور وہ مفہومات متحقق ہوں کیونکہ جب ارتباط ایسا ہے جیسا خط کو سطح سے
تو جیسے خط بدون سطح کے ممکن الوجود نہیں ایسے ہی وہ مفہومات بھی بے وجود ممکن التحقق نہونگی ہاں اتنا
فرق ہے کہ لزوم ذاتی کی صورت میں دونوں طرف سے تلازم ضرور ہے چنانچہ واقفان معانی خود
سمجھتے ہیں اور اس صورت میں ایکطرف سے لزوم ہو گا دوسری طرف سے لزوم نہو گا یعنی جیسے خط بے سطح ممکن
نہیں اور سطح بے خط ممکن ہے جیسے سطح کروی یا فرض کیجیے کوئی مسطح چاروں طرف سے غیر متناہی ہو کیونکہ ایسی سطح
اگر محال بھی ہو گی تو اور وجہ سے ہو گی بوجہ عدم خط محال نہو گی ایسے ہی اون مفہومات کی طرف سے تو لزوم
ہو گا پر وجود کی طرف سے لزوم نہو گا اور ظاہر ہے کہ اتصاف کی کل یہی دو صورتیں ہیں ایک تو لزوم ذاتی
جسکا حاصل یہ ہے کہ وصف یعنی لازم ذات ملزوم سے صادر ہوا ہے اور دوسرا ارتباط بطور خط و سطح جسکا حاصل
یہ ہے کہ وصف موصوف پر خارج سے اگر عارض ہوا ہے یعنی اگر خط مستدیر دائرہ کو وصف عارضی سطح
داخل قرار دیں تو یوں سمجھو یہی خط سطح خارج کے ساتھ قائم تھا اوسکی طرف سے سطح داخل پر عروض ہے اور
اگر وصف عارضی سطح خارج خیال کریں تو یوں سمجھو وہ خط سطح داخل کے ساتھ قائم تھا اوسکی طرف سے سطح
خارج پر عروض ہے الحاصل بہ نسبت موصوف وصف کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ اپنے موصوف سے
ناشی ہوا اسکو تو میں لازم ذات کہتا ہوں اگر اور بھی کہیں تو فبہا ورنہ اصطلاح میں کیا حرج ہے یہ ہماری
اصطلاح سہی دوسرا یہ کہ وصف خارج سے آیا ہو سو ایسا وصف حقیقت میں ایک حد بین بین ہوتا ہے جسکا
حاصل وہی انتزاعی اور نسبی اور اضافی ہو نکل آتا ہے مثلاً نور آفتاب اگر زمین پر عارض ہوتا ہے تو اوسکی
یہی صورت ہے کہ اوسکی شعاعیں زمین سے متصل ہو گئیں اور اونکے اور زمین کے اتصال سے ایک
سطح نورانی پیدا ہو گئی جسکو دھوپ کہتے ہیں سو جیسی حد بین السطحین خط نمایان ہوتا ہے ویسے ہی حد بین
الجسمین سطح نمایان ہوتی ہے مگر ہر چہ باد اباد حد ہونا ظاہر ہے اور پھر اوس سطح کو اگر شعاعوں کے ساتھ

قائم سمجھیے تو وہ سطح نورانی ہے اور زمین بعارض بطور زمین کے ساتھ قائم سمجھیے تو وہ سطح ظلمانی ہے اور شعاعوں کا عارض سمجھے تو یہ فرق
نوعی نیچے کے مفہومات میں تو نکل سکتا ہے خود وجود کے حصوں میں یہ فرق متصور نہیں یعنی نیچے اگر تو مفہومات متعدد اور انواع
مختلفہ پیدا ہو گئیں ہیں ہاں تو مثل سطح نورانی و سطح ظلمانی باوجود اشتراک سطحیت فرق نوعی نکل سکتا ہے پر خود مرتبہ وجود
میں یہ فرق نہیں جو اوسکے حصوں اور ٹکڑوں میں یہ فرق نکالیے کیونکہ وجود سے اوپر کوئی مفہوم وجود سے
عام نہیں جسکے تلے وجود و غیر وجود ایسی طرح داخل ہوں جیسے حیوان کے تلے انسان اسپ وغیرہ یا
قابل ابعاد ثلثہ کے تلے نور و زمین وغیرہ یعنی بظاہر نور و شعاع بھی قابل ابعاد ثلثہ ہے اور یوں کوئی
اسمیں کچھ تکرار کرے تو ہمارا کیا نقصان مثال میں اتنا کافی ہے کہ ظاہر نظر میں معلوم ہوتا ہو اصل وجود
میں یہ فرق متصور نہیں اسلیے مثل سطح داخل و خارج دائرہ فقط حدود ہی کا لحاظ کرنا پڑیگا اور اوس
تفاوت نوعی کی وہاں گنجایش نہوگی جو حدود کے اطراف کی طرف سے پیدا ہوتا تھا ہاں اگر وہ فرق
بھی متصور ہوتا تو اس انتزاع کے ساتھ ایک انضمام کا مضمون بھی پیدا ہو جاتا بہرحال وجود کی نسبت
اوصاف کی یہی دو صورتیں متصور ہیں ایک تو یہ کہ اوصاف اوس سے صادر ہوئے ہوں اور اوسکی لازم
ذات ہوں دوسرے یہ کہ اوس پر واقع ہوئے ہوں یعنی اوسکے حق میں انتزاعی ہوں جب یہ بات سمجھ میں
آگئی تو اور سنیے صفات کاملہ جناب باری تو وجود کی لازم ذات ہیں اور سوا اوسکے اور مفہومات جو وجود
کے حق میں انتزاعی خبر اور مفہومات ہیں تو چنداں ہمکو بحث نہیں اصل مطلب صفات سے ہے سو اونکے لزوم
ذاتی کی یہ وجہ ہے کہ وجود کا تقدم اور اوصاف اور مفہومات پر تو ایسا آشکارا جیسا آیات کا وجود سے مقدم ہونا
اور وہ کا ہیں سے اگر وجود کے بعد کسی درجہ میں کوئی معدوم ہو سکتا تو ہم کہہ سکتے کہ وجود اور صفات باقیہ جناب
باری معلول علت ثالثہ ہیں پھر اوسکے ساتھ تحقق صفات خداوندی بے وجود خداوندی بھی متصور نہیں اور
خدا کے وجود سے اونکا انفصال بھی ممکن نہیں اگر ایک طرفی لزوم ہوتا تو ہم اونکو از قسم اوصاف خارجہ
کہہ دیتے مگر جب دونوں طرف سے تلازم ہے تو وہی صورت ہوگی کہ وجود جو مقدم اور سابق ہی ملزوم
اور صفات باقیہ اوسکی لازم ذات اور قطع نظر وجود کے خود ذات باری کو ملزوم اور صفات مذکورہ کو لازم ذات
کہیے تو اول تو ضرورت وجود جسکی بداہت میں کسیکو کلام نہیں چنانچہ اوپر عرض کر آیا ہوں غلط ہو جائیگی
دوسری اس صورت میں وجود خداوندی اور ہوگا اور ذات خداوندی اور جسکا حاصل یہ ہوتا کہ وجود باری
بھی مثل وجود مخلوقات ایک امر عارضی ہے کوئی امر ذاتی نہیں اور اسلیے اوسکا اتصال و انفصال یکی

وجود و عدم خداوندی دونوں ممکن ہیں ہاں یوں کہئے جیسے آفتاب ایک نور مجسم ہے یا یوں کہو اوسکے جسم کے
اندر ایک نور حلول کئے ہوئے ہے مگر جو چاہو سو کہو یہ شعاعیں جو اوس سے خارج ہوتی ہیں اوسی نور سے
خارج ہیں جو سرحد کرویہ آفتاب میں ہے خواہ وہ عین جسم آفتاب ہو یا اوس میں حلول کئے ہو اور پھر اون
شعاعوں سے زمین پر مثلاً دھوپ پیدا ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ بھی ایک نورانی چیز ہے اتنا فرق ہے
کہ دھوپ کبھی پیدا ہو جاتی ہے کبھی زائل ہو جاتی ہے اور شعاعیں ہمیشہ آفتاب کے ساتھ رہتی ہیں لیکن جیسی
باوجود مزید نورانیت شعاع کو دھوپ نہیں کہہ سکتے حالانکہ دھوپ کو دھوپ نورانیت ہی کی وجہ سے کہتے
ہیں ایسے ہی نور سرحد کرویہ کو باوجود فوقیت نورانیت شعاع نہیں کہہ سکتے اور اگر شعاع کو دھوپ اور نور
سرحد کرویہ کو شعاع کہدیں تو یوں کہو شعاع اور نور مذکور کی توہین ہوگی ایسے ہی جو بات صفات میں ہے
وہ بات ذات باری میں بدرجہ اولیٰ ہے مگر اطلاق الفاظ صفات اوس درجہ پر کریں تو توہین ذات ہے اسلئے
اوس مرتبہ کو جو اوس سے صادر ہوا ہے ذات سے ایسی طرح کم سمجھکر جیسی شعاع نور سرحد کرویہ سے ہوتی ہے جو
اسماء اور القاب اونکو دیئے ہیں وہ القاب اگر مرتبہ ذات پر اطلاق کریں تو اوسکی توہین ہو گو اصل بات بیان
وہ مرتبہ صادر سے کہیں بڑھا ہوا ہو مگر جب مرتبہ صدور تک نوبت آئی تو پھر وہی ترتیب ملحوظ رہیگا جو وجود
میں اور صفات باقیہ میں ہے اور اسلئے یہی کہنا پڑیگا کہ وجود صادر اور صفات صادرہ کے حق میں مقدم ہے
ورنہ پھر وہ ترتیب یعنی تقدم وجود و تاخر صفات کیونکر درست ہوگا القصہ ذات پاک اصل ہستی ہی پر لفظ وجود
و ہستی اوسکے حق میں ایسی طرح موجب عار ہے[له] جیسے نور سرحد کرویہ کے حق میں لفظ شعاع اور شعاع کے حق میں
لفظ دھوپ حالانکہ نور سرحد کرویہ اصل شعاع ہے اور شعاع اصل دھوپ علیٰ ہذا القیاس جو نسبت وجود
کو ذات کے ساتھ ہی وہی نسبت حیوۃ کو وجود کے ساتھ مثلاً اور علم کو حیوۃ کے ساتھ اور ارادہ کو علم
کے ساتھ ہے تفصیل اس اجمال کی سنئے یہ تو بدیہی ہے کہ ارادہ مراد کے ساتھ جب تک متعلق نہیں ہو سکتا
جب تک علم اوس مراد کے ساتھ متعلق نہولے اس توقف تعلقی سے یہ بات متحقق ہے کہ ملکہ ارادہ کا تحقق
بھی ملکہ علم کے تحقق پر موقوف ہے اور باہم ایسا رابطہ ہے جیسا جسم محدود اور سطح میں اگر ایسا رابطہ نہو تو
یوں کہو کہ ملکہ ارادہ اپنے وجود میں ملکہ علم سے ایسی طرح مستقل و مستغنی ہے جیسے دو جسم متباین اپنے اپنے

[له] وہ یہی بات ہے جیسے لاٹ اور لفٹنٹ گورنر اور لفٹنٹ بوجہ حکومت کہتے ہیں اور اعتبارات میں بادشاہ بہت زیادہ ہو
ہے مگر بادشاہ کو لاٹ یا لفٹنٹ کہئے تو اوسکی توہین ہے گو لاٹ اور لفٹنٹ کی تعظیم ہو ۱۲ منہ

وجود میں ایک دوسرے سے مستغنی و مستقل ہوتی ہیں لیکن یہ ہوگا تو یہ بھی سمجھ ہو کا کہ جیسے دو جسم متبائن ہوں
تو پھر وہ بیچ میں کسی ایک کا اپنے اتصال میں دوسرے کے اتصال پر موقوف ہو بلکہ عقل ہر ایک کا اتصال بدون دوسرے کے
تجویز کر سکتی ہے ایسے ہی ارادہ بھی اپنے تعلق میں جسکا حاصل وہی اتصال بالمراد ہے علم کے تعلق سے ایسی طرح
مستغنی ہو جیسے علم اپنے تعلق میں ارادہ کے تعلق سے مستغنی ہے کیونکہ جب علم و ملکہ ارادہ جو روح کے ساتھ ایسی
نسبت رکھتے ہیں جیسے قوت باصرہ یعنی نور نظر آنکھ کے ساتھ اور نور آفتاب یعنی شعاع خود آفتاب کے ساتھ
اور اپنے وجود میں اپنے قیام اور استقلال میں ایسے جیسا قوت باصرہ اور قوت سامعہ میں تو جیسے ان دونوں قوتوں میں
سے ایک دوسرے سے اپنے اپنے تحقق میں مستقل و مستغنی ہیں اور اسلئے تعلق میں بھی مستغنی ہے ایسے ہی علم و ارادہ کو
درصورت استقلال وجود علم و وجود ارادہ یہ لازم ہوگا کہ تعلق میں بھی مستغنی ہوں ہاں اگر وجود ارادہ ایسی طرح تابع
وجود علم ہو جیسے وجود سطح تابع وجود جسم ہوتا ہے تو پھر یہ بات درست ہو جائیگی کہ ارادہ تو اپنے تعلق میں تعلق علم کا
محتاج ہو اور علم اپنے تعلق میں ارادہ کے تعلق کا محتاج نہ ہو کیونکہ عقلا اصفا کے نزدیک یہ بات بدیہی ہے کہ جب ایک
طرف سے تحقق میں احتیاج ہوگی تو اسی طرف سے تعلق میں بھی احتیاج ہوگی یہی وجہ ہے کہ عقل سلیم اتصال سطح بے
اتصال جسم تجویز نہیں کر سکتی ہاں البتہ اتصال جسم بے اتصال سطح تجویز کر سکتی ہے دیکھ لیجئے کرہ سطح مستوی سے ملے
تو فقط ایک نقطہ پر اتصال ہوتا ہے اور مکعب کونے کی طرف سے کسی جسم مستوی السطح سے متصل ہو تو نقطہ پر یا خط
پر اتصال ہوتا ہے الغرض یہ توقف کی طرفی جو دربارہ تعلق علم و ارادہ ہوتا ہے بے اسکے متصور نہیں کہ ارادہ
اپنے وجود میں علم کا تابع ہو باقی یہ بات خود ظاہر ہے کہ علم بے حیوۃ متصور نہیں اور حیوۃ بے وجود متصور نہیں
اور وجود اور ذات کا ارتباط ابھی عرض کر کے آیا ہوں یہ اون صاحبوں کے طور پر عرض کیا گیا جنکے نزدیک
حیوۃ علم سے مقدم ہے اور جنکے نزدیک اصل علم یعنی وہ قوۃ علمیہ جو روح کے حق میں بمنزلہ نور شعاع آفتاب حیوۃ
سے مقدم ہے یا باہم فرق اعتباری ہے اونکے طور پر اوسکے مناسب سمجھنا پڑیگا یعنی فرق تقدم و تاخر
بمعنے مقدم و موخر کی حقیقت کے سمجھنے پر موقوف ہے اور یہ بات بذریعہ تعریف تقدم و تاخر متصور نہیں سو بعد غور
ناظر فہیم خود سمجھ لیگا یہاں ایسی تفصیل کی گنجائش نہیں یہ ہے اجمال مطلب یہ ہے کہ جو ترتیب صفات در وجود صادر میں ہے
وہی ترتیب وجود صادر اور صفات صادر میں ہے اور پھر وہی ترتیب آگے باہم صفات میں ہے اور خیر صفات میں
یہ ترتیب نہ سہی لیکن وجود صادر من الذات اور صفات میں تو یہ ترتیب اور توقف ضرور ہے اور پھر اوسکے ساتھ لزوم
ذاتی یعنی انفصال ممکن نہیں ورنہ یہ ممکن ہو کہ خدا میں یہ صفات اول نہوں اور پھر آ گئیں ہوں اور حق بدلتیا

جدا ہو جائیں ورنہ زائل ہو جائیں کیونکہ جب انفصال ممکن ہوا تو بدون اسکے متصور نہیں۔ وہ صفات خانہ زاد
اور صادر من الوجود اور حصول وجود اور مقتضائے وجود نہوں اور یہ نہیں تو پھر یہی ہوگا کہ عطاء غیر ہوں جیسے
بنائے خدائی ہی برہم ہو جائیگی کیونکہ اس صورت میں احتیاج الی الغیر لازم آئیگی دوسری یہ خرابی اور ہے کہ
کہ صفات مذکورہ کو اپنے تحقق میں وجود کی حاجت نہو یہ ممکن ہوگا کہ عالم نہو اور اوسکو علم حاصل ہو یہ کہ جب
وجود کو وہ صفات لازم ہی نہیں تو پھر انفصال من الوجود ممکن ہوگا اور یہ ہو نہیں سکتا کہ کسی دوسرے وجود
کو لازم ہوں کیونکہ یہ ہوگا تو پھر وجود بھی اوسی طرف سے مستعار ہوگا یعنی جب وہ صفات وہاں دوسرے وجود
جدی نہیں ہو سکتیں تو جہاں جائینگی اوسکے وجود کے ساتھ جائینگی وہ اگر مستعار ہونگی تو وجود مستعار
ہوگا اور یہ خیال کہ اچھا ایک وجود مستعار بھی سہی پر ایک وجود اصلی بھی ہو جس پر بنائے خدائی ہو اوسی کو
ہو سکتا ہے جنکو عقل سے بہرہ نہیں اول تو ایک کا وجود دوسرے کے وجود کو اپنی سرحد میں گھسنے ہی نہیں دیگا
ہمارا وجود ضعیف ہے اور کیوں نہو زمین کی دھوپ کی طرح عطاء غیر ہے یعنی خدا داد ہے نور آفتاب کی
طرح خانہ زاد نہیں اور پھر با اینہمہ ہمارا وجود اپنی سرحد میں کسی دوسرے کو آنے نہیں دیتا یعنی جہانتک ہمارے
احاطہ وجود ہے وہ دو ڈھائی گز ہے یا کم و زیادہ وہانتک دوسرے کی گنجایش نہیں جب وجود ضعیف ہمارا
وجود میں یہ قوت ہے تو خدا کا وجود تو خانہ زاد قوی ہے وہ کاہیکو دوسرے کے وجود کو اپنی سرحد میں قدم
رکھنے دیگا دوسرے مفہوم وجود ایک مفہوم واحد ہے اوسکا مصداق بھی واحد ہونا چاہئے یعنی جیسے مفہوم
انسان ایک مفہوم واحد ہے اور اسوجہ سے جہاں یہ مفہوم صادق آتا ہے وہاں وہی ایک مصداق ہوتا ہے چنانچہ
اسوجہ سے افراد انسانی ماہیت انسانی میں باہم شریک ہیں اور سب ایک ماہیت کے افراد اور ایک کلی کے تحت
داخل سمجھے جاتے ہیں ایسے ہی در صورت تعدد وجود افراد وجود و موجود سب ایک ماہیت میں شریک ہونگے
اور اسوجہ سے جیسے ہر فرد انسانی میں لوازم ماہیت انسانی کا ہونا ضرور ہے ایسے ہی ہر فرد وجود میں و
ہر فرد موجود میں لوازم ماہیت وجود کا ہونا ضرور ہوگا سو صفات مذکورہ اگر کہیں بھی لوازم ذات وجود ہونگے
تو سبھی جا لازم ذات وجود ہونگے پھر وجود خانہ زاد ہوگا تو یہ بھی خانہ زاد ہونگے اور وہ مستعار ہوگا تو یہ
بھی مستعار ہونگے غرض خدا کے وجود کو پہلے لازم ہونگے الحاصل بے اسکے چارہ نہیں کہ تمام صفات وجود کو
لازم ذات وجودی کہئے جیسے تمام احوال وجود کو انتزاعی وجود کہنا چاہئے چنانچہ پہلے عرض کر چکا ہوں باقی
یہ تمیز اپنا کام ہے کہ کسکو صفت کہئے اور کسکو حال اس مقام میں اگر اسکے بیان کی ضرورت ہوتی تو میں تو عرض

ہوتا پیدا ہاں اگر کسیکو یہ خیال ہو کہ ذات واحدہ سے واحد ہی ہوا کرتا ہے امور متعددہ نہیں ہو سکتے پھر وجود
[illegible] بسیط کی ذات کو جہت بسیط ہے [illegible] وسلسلہ صفات اور تمام مفہومات کے علاوہ اور اقدم شاہد ہے کیونکر اتنی صفات
متعددہ جنکو غیر متناہی کہئے [illegible] لازم ہونگے تو اسکا جواب یہ ہے کہ اگر واحد کو ذات کو واحد ہی لازم ہوا
کرتا ہے اور ہم کہتا ہوں ویسا ہی ہوتا ہے تو ہم پہلے ہی ترتیب صفات کیطرف بطور نمونہ خود اشارہ کر آئے ہیں
[illegible] کا ارادہ علم پر موقوف اور علم حیات پر اور حیات وجود پر اسی غرض سے عرض کی تھی کہ یہ معلوم ہو جائے کہ صفات
سب کی سب بے واسطہ ذات کو لازم نہیں بلکہ ایک کو ایک لازم ہے اور اسوجہ سے سب کی سب ذات کو لازم ہیں اور اگر
[illegible] فرض کرو غلط ہے تو نہ یہ خیال پیدا ہو اور نہ مجکو جواب کی ضرورت بالجملہ تمام صفات وجودیہ بواسطہ یا
بے واسطہ ذات [illegible] کو لازم ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ وجود ہو اور ان صفات کا پتا نہ ہو بہت ہوگا تو یہ ہوگا کہ جمادات
ونباتات میں بھی علم و ادراک و شعور و ارادہ کا ہونا لازم ہے مگر کوئی پوچھے تو اسمیں کیا محال اور کیا خرابی ہے
اس دلیل قطعی کے سامنے یہ وہم کیونکر قابل قبول ہو کہ ہمکو آثار علم و حیات و ارادہ و قدرت معلوم نہیں ہوتے
اور معلوم نہ ہونے سے [illegible] استبعاد لازم آیا کرے جسکا علم نہیں تو جو چیزیں ہمکو معلوم نہیں وہ سب معدوم ہوا
کریں بلکہ جو لوگ سلیم العقل ہیں اور اوہام اور خیالات کے پابند نہیں دلیل مذکور کو سنکر مطمئن ہو گئے ہونگے اور
پھر یہ خطرہ [illegible] آئیگا کہ جمادات ونباتات میں ادراک و شعور ہی نہیں پھر وہ کیونکر خدا کی تسبیح کرتے ہونگے
جو علی العموم قرآن میں فرمایا وان من شی الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقہون تسبیحہم جسکا یہ مطلب ہے کہ کوئی شی ایسی نہیں جو
خدا کی حمد و تسبیح [illegible] ہو مگر تم نہیں سمجھتے الحاصل وجود کو تمام صفات وجودیہ لازم ہیں اگر کہیں خانہ زاد ہوگا تو صفات
وجودیہ بھی خانہ زاد ہونگی اور کہیں مستعار ہوگا تو صفات وجودیہ بھی مستعار ہونگی مگر چونکہ قوابل میں باعتبار قابلیت
تفاوت زمین و آسمان ہوتا ہے اور اسوجہ سے وصف مقبول میں بھی اسیقدر فرق پیدا ہوتا جاتا ہے تو بعض اجسام
میں بالفعل [illegible] صفات وجودیہ یا تو محسوس ہی نہیں ہوتیں اور یا کم محسوس ہوتی ہیں اور اسلئے یہ شک پیدا
ہوجاتے ہیں مگر [illegible] پنڈت صاحب اگر مخلوق خدا نہیں جیسے پنڈت صاحب فرماتے ہیں اور اسی پر
[illegible] ہے تو [illegible] وجود خانہ زاد ہوگا اور صفات وجودیہ قدیم سے اسکے وجود کو لازم ہونگی اور تمام صفات
[illegible] لازم ہیں [illegible] خدا کہنا پڑیگا اور یہ عذر [illegible] لغو ہو جائیگا کہ فقط غیر مخلوق
ہونے سے [illegible] خدائی کیلئے تمام صفات کی فراہمی ضرور ہے اور اگر [illegible] ہو بھی مخلوق ہو گئے تو موقوف
[illegible] پنڈت صاحب کہ یہ مخلوق اور حادث کیلئے مادہ کی حاجت ہے جسکی بنا پر پنڈت جی کو مادہ کے قائل ہونے

کی ضرورت ہوئی اوس مادہ کیلئے اور مادہ مکان پر بگا اور پھر اسیطرح اوس دوسرے کیلئے یہانتک کہ دور
یا تسلسل لازم آئیگا اور پنڈت جی کا شیخ چلی کا سا گھر بنا بنایا ڈہ جائیگا اب دیکھئے پنڈت جی کے طور پر خدا
نعوذ باللہ بمنزلہ کمہار ہے اور مادہ بمنزلہ گارا اور مخلوقات بمنزلہ برتن مگر یہ ہے تو پھر یوں کہو مخلوقات کو خدا
کی اتنی ضرورت نہیں جتنی مادہ کی ضرورت ہے ظاہر ہے کہ برتن کو کمہار کی اگر ضرورت ہے تو فقط بنتے ہی وقت
ہے اور مادہ کی ضرورت ہردم ہے ہمہ اگر یوں کہئے جیسے پانی وغیرہ کا جو قطرہ اوپر سے گرتا ہے بمقتضائے
طبیعت کروی الشکل ہو کر گرتا ہے ایسے ہی کیا عجب ہے ظہور اشکال مخلوقات مادہ کا ایک امر طبعی ہو پھر کیا
ضرورت ہے جو خدا کے قائل ہو جئے اور اوسکا بار احسان اور تاوان عبادت اپنے سر دھرئے تو پھر پنڈت جی کا
مادہ ہی مادہ رہیگا خدا کو کون پوچھے گا اور خدا بھی رہا تو موافق گذارش حال خدا میں کیا فوقیت رہی جو وہ تو
مالک بن بیٹھے اور مادہ باوجود محتاجی خدا ہنوز مادہ رہا غرض جس پہلو سے دیکھئے یہ عقیدہ فاسد ہے ہمیں تو
کیا خدا کی قدردانی ہے قربان جائے ایسے گرو اور ایسے چیلوں کے جنکو اسکی بھی خبر نہیں کہ ہم کہاں جاتے
ہیں اور اسکا انجام کیا نکلے گا۔ کہو لالہ اندلال صاحب اب بھی یہ مصرعہ پڑھو گے یا نہیں ؎ میں لازم کا علم
دنیا تھا فقط و راپنا عقل بیا۔ لالہ صاحب آپسا جیوں کی طمطراق اور تین پانچ کی وجہ فقط ثروت ہے ہے یہ سارے
پھل پھول اس دولت ناپائدار کے ہیں معیشت سے بیفکر خواب راحت میں مست جو جی میں آیا کہا سنایا لکھا
چھپوایا جاہلوں نے سمجھا کوئی بڑے ہی ذوفنون ہیں اگر اسطرف آدھی ثروت بھی ہوتی تو انشاء اللہ
تماشا دکھلا دیتے مگر افسوس کی مجبوری کو کیا کیجے یہاں تقریباً تین سال گذر جائیں اور کیفیت میلہ
چاندا پور بھی جسمیں پنڈت جی بھی رونق افروز تھے نہ چھپنے پائی اور پنڈت جی کیفیت مذکورہ چھوڑ کر
میرٹھ وغیرہ مقامات کی تمام واقعات حسب دلخواہ گھڑ گھڑ کر چھپوا دیں خیر یہ تو ہوچکا ہمکو تو غرض بیان سے
مطلب ہے اسلئے یہ گذارش ہے مرحبا آفریں ہزار آفریں یہ آپکا نتیجہ اسی قابل تھا کہ آپ اسکو یوں سوا
کریں کیا مزے کی بات ہے عقیدہ بھی ملا تو یہ ملا اور دلیل بھی ملی تو یہ ملی دیکھو کیا جہالت کی دلیل ہے مگر
جہاں عقل سے کام نہ لیا جائے وہاں اور کیا کیجئے اصل جواب تو ہو چکا اور عقل ہو تو یہی تقریر اون تمام فضول
کے جواب میں کافی ہے جو لالہ صاحب نے بذریعہ غیر مخلوق ہونے صفات باریتعالی کے وارد کئے اصل
میں وہ ایک اعتراض ہے اور حاصل اسکا یہ ہے کہ اگر فقط غیر مخلوق ہونے سے خدائی لازم ہے تو لازم
یوں ہے کہ صفات کاملہ جناب باری بھی خدا ہوجائیں اور چونکہ وہ صفات غیر متناہی اور باہم متباین ہیں

ورنہ ہم یوں ہی کہتے کہ غیر مخلوق بھی خدا ہو جاوے مگر نالائق جب ہے اوراق سیاہ کرنے کیلیے قدرت علم ارادہ وغیرہ کو
جدا جدا لیا ہے اور ہر ایک کے غیر مخلوق ہونے کو دور کرکے اعتراض مذکور وارد کیا ہے چونکہ اس تقریر میں (۱)
بھی یوں کی غلط فہمیوں کے اندیشہ سے یہ تو یہ ہے کہ خدا کیلیے یہ ضرور ہے کہ اوسکا وجود کسی اور کے
وجود پر موقوف نہو اور کسی غیر کے سہارے پر نہو جسکا نتیجہ یہ ہے کہ مدار خدائی استقلال وجود ہے اور
صفات میں یہ بات نہیں تو اب اسکی حاجت نہیں کہ ہم غلط فہمی کا جواب دیں اور اونکی خوبی فہم کو آشکارا
کریں ہمیں اپنے مقصد سے مطلب ہے ۵ وہ وہ باتیں اگر سنائیں تو ہم ہونگا لیاں سہلیں ہمیں مطلب ہے
مطلب سے دو دو باتیں ہم کہیں ہیں +۲ یہ سونکا سر پڑھانا بھی اچھا نہیں اسلیے اونکی فہم کی قلعی کھولنی بھی ضرور
ہے سنیے حضرت صاحب آپ تو معانی کی ٹانگ توڑنے کو موجود ہیں غور تو کرو تمہیں تو عبارت فہمی کا سلیقہ
بھی نہیں معترض صاحب اگر فقط یوں لکھتے کہ خدائی کا مدار غیر مخلوق ہونے پر ہے تو تمہاری یہ نا بیاب بجائی
کلام آخر شاید کہیں سے پیدا ہو ہی جاتا معترض صاحب تو یوں فرماتے ہیں کہ مدار خدائی کا مدار اوسکی غیر
مخلوق ہونے پر ہے یہ قید فقط اسی لیے لگائی تھی کہ کوئی صفات کو لے اوڑ سے گا اونکو معلوم نہ تھا زمانہ
خالی نہیں ہے فہم ادب آپ ایسے بھی میرے محاورہ رونق افروز ہیں مگر جب آپ اسپر بھی نہ سمجھے تو آپ ہمارے اس مدعا
کو بھی سمجھے ہونگے اسلیے بالتفصیل عرض کرنا پڑا سنیے مگر کان کا میل نکلوا کر سنیے مفہوم دو قسم کے ہوتے
ہیں ایک مستقل بالمفہومیت دوسری غیر مستقل مستقل بالمفہومیت سے تو یہ غرض ہے کہ اوسکے سمجھنے کیلیے دوسرے
مفہوم کے سمجھنے کی ضرورت نہو اور غیر مستقل وہ کہ جسکے سمجھنے کیلیے دوسرے مفہوم کے سمجھنے کی ضرورت ہو
وہ مفہوم کوئی مفہوم مطلق ہو یا مقید ہو مثلاً ضرب کے تصور کیلیے ضارب کا تصور اور مضروب کا تصور ضرور ہے
اگر ضرب مطلق ہو تو مطلق ضارب و مضروب کا تصور کافی ہے اور مقید ہو تو ضارب خاص اور مضروب خاص کا

۵ [illegible]

تصور درکار ہوگا غرض بقدر خصوصیت ضرب اطراف میں بھی خصوصیت درکار ہے اگر دونوں قسم کی
خصوصیت ضرب میں ملحوظ ہوگی تو دونوں طرف میں تخصیص ضرور ہوگی اور ایک قسم کی خصوصیت
ہوگی تو ایک طرف میں تخصیص لازم ہوگی جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو آگے سنئے صفت بیس
قسم کی کیسی کیوں نہوں غیر مستقل بالمفہومیت ہیں اور اسماء جامدہ سب مستقل مگر چونکہ فہم پر نسبت موجود واقعیہ
ایک مجبر ہے مشی نہیں چنانچہ پہلے بھی عرض کر آیا ہوں تو جہاں فہم میں عدم استقلال ہوگا وہاں نفس الا
واقع میں بھی عدم استقلال ہوگا اوسکی نسبت کسی دیوانہ کو بھی یہ وہم نہوگا کہ وہ بذات خود موجود ہے کسی
دوسرے کی احتیاج نہیں اور اسلئے اوسپر اطلاق لفظ خدا نہ کوئی کریگا نہ کسی اور کے کلام میں منکر آپ بھی ا
کریگا کیونکہ یہ لفظ تو آشکارا یہ کہتا ہے کہ اسکا مصداق خود بخود ہستی پر رونق افروز ہے کسیکے فیض و قدرت
سے وجود میں نہیں آیا غرض یہ لفظ ہی مابہ الاحتراز من الصفات ہے مگر ہاں وہ مفہومات باقی تھے جو مستقل
بالمفہومیت ہیں اور اونکی مصادیق مخلوق ہیں جیسے جمنا داس گنگا داس وغیرہ اسماء اونمیں اور خدا میں
مابہ الافتراق فقط یہی ہے اور سب مخلوق اور خدا غیر مخلوق اسلئے معترض نے یہ کہا تھا کہ خدا کی خدائی کا
مدار اوسکی غیر مخلوق ہونے پر ہے اور اس امر میں وہ اور مادہ متنازع فیہا جسکی استقلال بالمفہومیت اور
استقلال وجود پر اوسکا تباین اور غیر مخلوق ہونا شاہد ہے برابر پھر کیا وجہ کہ خدا تو خدا کہلائے اور اوسکے
لئے حقوق خداوندی بجالائے جائیں اور مادہ خدا نہ بنے اور نہ اوسکے لئے وہ حقوق ادا کئے جائیں
اب لالہ صاحب فرمائے آپکا وہ اعتراض کہاں گیا اور کہیئے اولٹی زار گلے میں آئی یا نہ آئی خیر آپکے اس
اعتراض ہی کا جواب تو ہو چکا مگر آپکے نہ بیچارہ ہم بھی کچھ چھیڑ کرتے چلیں لالہ صاحب آپ فرماتے ہیں کہ ہما
اور نیز ہر جدید فرقہ کا اسبات پر اتفاق ہے کہ خدا قادر مطلق ہے انتہی سبحان اللہ باسی کڑھی کو بھی ابال
اہل اسلام کے مقابلہ میں ہندوؤنکو بھی یارائے زبان آوری ہوا لفظ جدید میں اسکی طرف اشارہ ہے کہ آپ
قدیم فرقے کے لوگوں میں ہیں جنکی گمراہی رفع کرنے کیلئے خدا نے نئے نئے ہادی بھیجے خیر مطلب یہ ہے کہ آپکے
نزدیک خدا قادر مطلق نہیں اور جب قادر مطلق نہیں تو قادر مقید ہوگا اور چونکہ ہر مقید سے اوپر ایک مطلق
کا ہونا ضرور ہے تو آپکے نزدیک خدا سے اوپر کوئی قادر ہوگا جسکی قدرت کاملہ مطلق ہوگی اور جن باتوں پر
قدرت نہ ہونے کی وجہ سے خدا کے قادر مطلق ہونے سے انکار تھا اون باتوں پر وہ قادر مطلق قادر ہوگا
اور چونکہ منجملہ اون کے خدا کا مارنا اور اوسکی شئی کا پیدا کرنا بھی ہے تو لازم یوں ہے کہ وہ قادر مطلق خدا

سے مرنے اور اوسکے ثانی کے پیدا کرنے پر بھی قادر ہو بلکہ خود اپنے مارنے اور اپنے ثانی کے پیدا کرنے
پر بھی قادر ہو مگر ایسے خدا تعالی کی قدرداں ہو تو بسی جو جیسی آپکے ہاں ہے لالہ صاحب آنکھیں
کھولے ہوش میں آئے ایسی بھی کیا عقل کھو بیٹھے دیکھو فاعلیت کا کمال اور نقصان اور اور
مفعولیت کا کمال اور نقصان اور ہے یہ فرق تو فاعل مفعول کے پہچاننے والے بھی سمجھ سکتے ہیں
آفتاب کو نظر نہ آئے تو ابصار فاعلی یعنی رائی ہونے میں قصور ہے اور آوازیں وریح وغیرہ اشیا
ہوا اگر نظر نہ آئیں تو ابصار مفعولی یعنی مرئی ہونے میں قصور ہے علی ہذا القیاس خدا اور اوسکا نظیر اور
مثلا عدم اور اوسکی موت اگر ممکن نہیں تو اون کے مقدور ہونے کا قصور ہے خدا کے قادر ہونے
میں کیا نقصان گر نقصان قدرت خداوندی ہوتا تو یہ امور محال نہ ہوتے ممکن ہوتے سو ان امور
سے باعث خدا کے قادر مطلق ہونے سے انکار کرنا اس بات پر دال ہے کہ آپکو اور آپکے پیشواؤں کو
ہنوز کمال نقصان فاعل و کمال نقصان مفعول کی بھی تمیز نہیں اور سنئے آپ فرماتے ہیں کہ قدرت
محدود نہ ہوگی تو ذات خدا محل حوادث ٹھیرے گی ہر چند یہ بات صحیح ہے اور خدا کی ذات کا محل حوادث ہونا
ممتنع ہے مگر آپکے مرتبہ فہم کے آشکارا کرنے کیلئے ہم بھی کچھ چھیڑ کرتے ہیں ~ چھیڑ خوباں سے چلی جا اسد
گر نہیں ہے وصل تو حسرت ہی سہی یہ تو فرمائیے اسمیں کیا خرابی ہے کہ ذات خداوندی محل حوادث ہو اگر
غیر مخلوق ہونے کے باعث یہ امتناع بھی ہے تو مادہ بھی غیر مخلوق ہے وہ کیوں محل حوادث ہے اور اگر
کسی اور صفت کے باعث یہ امتناع ہے تو وجہ امتناع کیا ہے اور اگر خالق ہونے کی وجہ سے یہ ممانعت
ہے تو اسمیں کیا استحالہ ہے کہ خود خالق اپنی ذات میں کچھ تصرف کرے اتنی قدرت تو ہمکو بھی حاصل ہے کہ اپنے
ہاتھ سے اپنے وجود کو درست کریں یا بگاڑ لیں خدا میں یہ بات کیوں نہوگی علاوہ بریں خلقیت اور رزقیت
سب اوسکی صفات خاصہ ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں حادث ہیں مادہ کے اثبات پر جو دلیل
دلالت کرتی ہے اوس سے یہ دلیل زیادہ مضبوط ہے پھر کیا وجہ اوسپر تو ایمان ہے اور اوس سے انکار اوسکے
بعد آپ روح اور دوزخ و بہشت اور وہانکے باشندوں کے ابدی ہونے کے خیال پر کچھ اور بے تامل شرکا
میں حاصل ہے کہ اگر فقط ایک صفت یعنی غیر مخلوق ہونے کے اشتراک سے مادہ کی خدائی لازم آتی ہے
تو لازم یوں ہے کہ دوزخ و جنت مافیہا اور ارواح بھی خدا ہو جائیں کیونکہ خدا ابدی ہے اور یہ اشیا بھی ابدی ہیں
اور جیسا اس اعتراض کو تو آپ گھر بھجوا کر کسی صندوق میں بند کرادیں تو بہتر ہے اگلے زمانہ میں جب آپکی طرح جاہ

گورنمنٹ ایسی خوش فہمی آباد ہو جائیگی کام بیگاڑنا ہو اور بگڑے ہوئے کو مٹا دیں جلسہ میں دخل دیتے تو ہمی
تو نہیں اور بھی ہمارا یہ معترض اگر یوں کہتا کہ اگر ایک صفت بھی صفات خداوندی میں سے بندہ میں بھی نہیں پائی
جائیگی تو خدائی لازم آئیگی تو آپکے یوں بھاہیں بنائی ہوئی معترض کے وہ خاصہ خداوندی بتلا دیا جسکا مطلب یہ ہوا
کہ خواص و لوازم ذاتیہ اشیا جہاں پائی جاتی ہیں وہاں ان اشیا کا ہونا ضرور ہے چونکہ غیر مخلوق ہونا خدا
کا اوسکی خصائص ذاتیہ میں سے ہے ورنہ سارے مفہومات مستقل بالمفہومیت میں ہوا اوسیکے واسطے ہیں وہ نہیں سیکے
جہاں یہ بات ہوگی یعنی منتفیٰ اسکے ساتھ غیر مخلوق ہونا ہوگا تو خدائی بھی ہوگی مگر آپکو اولٹی سمجھے ورنہ سکھلائے
جب چینے ہوا دل لئے ہوتے ہو معہذا ارواح کا ابدی ہونا ثابت تو کیا ہونا آپنے اسمانہ بیان یوں معترض ہے کہ جب
اونکی ابدیت کے معتقد ہیں اگر اوس بنا پر یہ ارشاد ہے تو آپکے ذمہ اونکی ابدیت کا اثبات اول ہے ذرا بتلا و تو
جدولہ حساب دستاویز اغوای شیطانی و شفاعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ بڑبڑاتے ہیں حاصل یہ ہے کہ گورنمنٹ
تو قزاقوں چوروں کا انتظام کرے خدا سے یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ کچھ شیطان کا انتظام کرلے دوسرے جب بے شفاعت
محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نجات نہیں دے سکتا تو خدا محتاج ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محتاج الیہ اسکے جواب
میں اول تو یہ شعر عرض ہے ؎ شپرہ در چشم سہ باکس پدیدہ بیک چشم تو ماد رگیتی ندیدہ یہ ہمارے ہی زمانہ
کو افتخار ہے کہ آپسا باریک فہم پیدا ہوا یہ اعتراض آجتک آپ سے پہلے کسیکو نسوجھا تھا ہمارا یہ آپکے آدمیوں میں
کیوں جنم لیا اول تو پہلی ہی جون میں رہنا تھا نہیں تو کسی اور جون میں آجاتا تھا آدمیوں کو کیوں بدنام
کیا سنئے آپکے طور پر تو یہ جواب ہے کہ آپکا خدا بھی کیسا عاجز و مجبور ہے کہ بندے گناہ کئے چلے جاتے ہیں اور بعد وقت
اور نافرمانی نہیں چھوڑتے اور خدا سے کچھ انتظام نہیں ہو سکتا ایسے خدا سے تو گورنمنٹ انگریزی ہی بھلی کہ زور
بازو اپنے نافرمانوں کو مطیع تو کرلے ہے تمہارے خدا سے تو یہ بھی نہیں ہو سکتا علاوہ بریں تمہارے خیال کے
موافق خدا بھی نعوذ باللہ کیسا برا کاریگر ہے کہ ایک دو اگر اچھا آدمی بنایا تو ہزاروں برے بنائے صناعان یورپ
ہی اس سے تو اچھے رہے جو بناتے ہیں قابل تعریف و لائق تحسین بناتے ہیں اور ہمارے طور پر یہ جواب ہے
کہ جیسے بنی آدم میں اچھے برے ہیں اوس نوع میں بھی اچھے برے ہیں جنمیں کا ایک شیطان بھی جیسے بنی آدم
میں دونوں قسم کے ہیں ہادی بھی مضل بھی اوس نوع میں بھی دونوں قسمیں ہیں منجملہ مضلین ایک شیطان بھی
ہے مگر جیسے قابض ارواح یعنی ملک الموت کو ایسا تصرف عطا ہوا ہے کہ سب جاندار اوسکے زیر تصرف ہیں ایسے ہی
شیطان کو اتنی وسعت دی گئی ہے کہ سب آدمیوں پر اوسکا اغوا چل سکتا ہے ان کوئی اوسکی اغوا کو قبول نہ کرے

تکلیف اور برونکی راحت رسانی کا اختیار ہی پر بوجہ کرم تو اگر اپنے حقوق سے درگذر کرتا ہے اور بوجہ
عدل اور ذگی حقوق اپنے سر پر نہیں رکھتا بلکہ غیر مستحقونکو بہت دیدیتا ہے پر یہ نہیں ہوتا کہ طاعت والوں کو
ثواب نہے یا بے گناہونکو عذاب دے یا گناہ سے زیادہ سزا دے کیونکہ اہل عقل کے نزدیک خدا کے عدل کے یہ معنی ہیں
کہ اپنے حقوق میں تو اپنی طرف سے زیادتی ہو اور اوروں کے فیصلہ میں کسی کی حق تلفی ہو اور ظاہر ہے کہ اپنے حقوق
کا چھوڑ دینا جو داخل رحم و کرم ہے اسکے مخالف نہیں اگر یہ بات مخالف عدل ہوتی تو بادشاہان عفو کیش
وادرس کو کوئی عادل نہ کہا کرتا غرض اپنے حقوق میں تنگ طلبی ضروریات میں سے نہیں مگر چونکہ کسی کی حق تلفی بھی
نہیں ہوتی اسلئے داخل ظلم نہیں البتہ مخالف لطف و کرم و رحم ہے غرض معاملوں کے چکانے میں تو حقیقت عدل
یہ ہے جو معروض ہوئی اور اس سے پہلے وقت اعطاء کمالات وہی قابلیت پر نظر خداوندی ہے جسکے تفاوت
کیطرف پہلے اشارہ کر چکا ہوں اس موقع میں خدا کے حق کا تو پتہ ہی نہیں اوروں ہی کے حقوق بقدر استحقاق قابلیت
ہوتے ہیں اسلئے اوسطرف سے کمی کی کوئی صورت نہیں مگر چونکہ قابلیت سے زیادہ کوئی نہیں لے سکتا تو کوئی حقیقت میں
پر زیادتی کی بھی کوئی صورت نہیں غرض عدل خداوندی وقت اعطاء تو یہ ہے اور وقت جزا و سزا وہ جو پہلے
معروض ہوا اسکے سوا دو حال اور کوئی صورت عدل و ظلم نہیں اگر سوائے خدا اور بھی کوئی تھوڑا بہت مالک ہوتا تو
ظلم سمجھتے تصرف فی ملک غیر متصور ہوتا اور اوسی کے موافق پھر عدل بھی سمجھا جاتا مگر ہم چہ باد اباد عدل یہ ہو یا وہ
مخالف رحمت کوئی نہیں اسکے بعد جو آپنے جناب سید الاولین و الآخرین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سوا آپکے
اور مخلوقات کے تساوی مراتب کے باب میں بوجہ مخلوق ہونے کے کاغذ سیاہ کیا ہے وہ اپنی اسی غلط فہمی کی بنا پر ہے
کہ آپ معترض کے اعتراض کی بنا فقط اشتراک صفت واحد و پر سمجھ گئے اگر یہ سمجھتے کہ وسکے اعتراض کی بنا اشتراک
خواص ذاتی اور اشتراک علل موجبہ پر ہے تو جواب تو کیا لکھتے بہت دنوں تک اس مذہب کے اختیار کرنے کی مارے منہہ
نہ دکھاتے افسوس جنکو اتنی بھی تمیز نہو کہ جو مصداق مستقل بالمفہومیت ہو کر مخلوق نہو وہ بذات خود موجود ہوگا
اور اسیکو خدا کہتے ہیں وہ ایسے اعتراضوں کا جواب لکھنے بیٹھیں اور ایسے پھولیں کی دھوتی میں سما نہیں لالہ صاحب
کے دن کی تیلن کے ان کا پاس تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو ایسے اعتراضوں کا جواب تم تو کیا لکھتے تمہارے سارے
دیوتاؤں سے بھی لکھا جاوے تو غنیمت ہے ہمنے تو ایسے ہی جواب کے احتمال پر یہ لکھدیا تھا جواب معقول ہو
مگر عقل ہو تو جواب معقول ہوئے پھر ہم سے توبہ کراتے ہیں ع چہ دلاورست دزدی کہ بکف چراغ دارد
اور سنئے لالہ صاحب کو اتنی تمیز نہیں کہ متناہی کسکو کہتے ہیں اور غیر متناہی کسکو نہایت باریک ہونیکو

وجہ عدم انتہا قرار دیتے ہیں اور لا انتہا رنعداد سے انکار فرماتے ہیں کوئی آپ سے پوچھے لفظ نہایت تو
خود انتہا اور نہایت پر دلالت کرتا ہے پھر عدم انتہا کہاں سے آگیا یہ کونسے لغت کی کتاب میں
سے آپنے دیکھا یا یہ ایجاد بندہ ہے کتابوں میں تو کیوں ہوتا یہ آپ ہی کا طبعزاد ایجاد ہو تو ہو شعر
بغیر نازکرں شیخ اجتہاد کند + ہزار نکتہ باریک ستر او کند + آگے لالہ صاحب کچھ ہست نیست ہونے
کی تحقیق میں اپنا جوہر حقیقت اور ہستی دکھلاتے ہیں۔ لالہ صاحب یہ جواب فرماتے ہیں کہ معترض نے یہ
بات کہاں سے سندکی سوامی جی نے تو اس قسم کی بات کہیں بیان نہیں کی اسکا جواب یہ ہے کہ پنڈت
جی کو اتنی دور کی سوجھتی تو وہ بیان کرتے مگر ہاں جن صاحبوں کو مادہ کیطرف میلان ہوا ہے اونکا
مبنی یہی شنیہ مذکورہ ہے سو اسکی مدافعت کے لئے معترض نے اتنا اور بڑھا دیا اور اس قسم کی مثال پنڈتوں
کو منظور میں دخل مقدر کہتے ہیں مگر آپ کیا جانیں آپ تو اتنا جانتے ہیں کہ اجزاء لا تتجزیٰ اور
سوار وینگ اور اشیاء قدیمہ نہ ہست ہیں نہ نیست قربان جائیے اس تحقیق کے ارتفاع النقیضین کو
محال کہا کرتے تھے آپ کے قلم توسن شیم نے ایک ہی گردش میں ممکن بنا دیا اور ارتفاع النقیضین ممکن ہوا
تو پھر اجتماع النقیضین تو لازم ہی ہے سوان دو کے محال بالذات کوئی محال تھا ہی نہیں جو تھا وہ انہیں
کے سو وضع اور تفصیل ہے تو غرض استحالہ کا باب ہی گم ہوا اگر رہی تو اتنی بات محال رہی کہ لالہ صاحب
محال و ممکن و واجب میں تمیز نہیں کر سکتے ؎ بجلی گری فغاں سے میری آسمان پر + جو سانحہ کبھی
نہ ہوا تھا وہ اب ہوا + آپ کی تحریر کی بدولت محال کا تو نام و نشان گم ہوا واجب کو صفحہ ہستی سے
اوڑا دیا تھا اور بے فکر ہوکر وجود سے لیکر عدم تک لوٹ مارنی تھی لالہ صاحب ہوش کی نبولئے
عقل کو سان پر دھروایئے حکیم بدیو سہائے صاحب سے دماغ کا علاج کروائیے اور خدا کے لئے ان مباحث
میں ٹانگ اڑا کر اپنی ٹانگ نہ تڑوایئے عدم اور وجود میں بمعنی مشہور کوئی واسطہ نہیں اور علت
کا وجود بہ نسبت معلول قوی ہوتا ہے اور کیوں نہو وجود معلول فیض وجود علت ہوتا ہے اور مثل حرکت
جالس سا کشتی کے وہ بعین حرکت کشتی ہوتی ہے وجود معلول بعین وجود علت ہوتا ہے پر اوسطرف
سے قوی اسطرف سے ضعیف اور یہ فرق ایسا ہوتا ہے جیسا نور آفتاب میں نمایاں ہے یعنی آفتاب
کیطرف تو شدید ہے اور دوسری طرف ضعیف جوں جوں اوپر کیطرف جاؤ شدت ہوتی
جاتی ہے اور جتنا اسطرف کو آؤ ضعف بڑھتا جاتا ہے بہرحال علت اول موجود ہے اور معلول

جیسے سطح ذو شکل ہو کر منشأ شکل ہے جسم بالوجوہ ذو شکل نہیں ایسے ہی موجودات خارجیہ حادثہ میں سے اگر
بعض موجودات اپنی اشکال کے حق میں ذو شکل ہوں تو اس سے اونکا منشأ اشکال ہونا غلط نہیں ہو سکتا وہ اگر
بہ نسبت اشکال لاحقہ خود ذو شکل ہیں تو اور بھی کسیکی نہیں تو وجود کی نسبت تو خواہ مخواہ ذو شکل ہی ہونگی ورنہ اونکے
حدوث کی بجز کوئی صورت نہیں کیونکہ حدوث کے یہ معنی ہیں کہ وہ علم سے وجود میں آجائیں اور یہ بات کہ ایک شے
ایک ہو کر دو چیزوں کے ساتھ لاحق ہو بجز شکل یعنی حد فاصل اور کسیکا کام نہیں محیط دائرہ جیسا سطح داخل کے ساتھ
قائم اور لاحق اور عارض ہے ایسے ہی سطح خارج کے ساتھ بھی قائم اور لاحق اور عارض ہے شکل زمین یعنی اوسکی
سطح قریب الکرویہ جیسے اوسکے ساتھ قائم ہے ایسے ہی اوس نور منبسط کے ساتھ قائم اور اوسکے ساتھ عارض
اور لاحق ہوتی ہے جو آفتاب سے فائض ہو کر فضائی عالم میں دور دور پھیلا ہوا ہے اس صورت میں علم ممکنات
اور وجود ممکنات میں قالب اور مقلوب کا سا اتصال اور ارتباط ہوگا بہرحال حقائق ممکنہ اشکال عارضۂ وجود
ہیں وجود بمنزلہ سطح یا جسم معروض ہے اور حقائق بمنزلہ سطوح و خطوط عارض مگر چونکہ ہمارا وجود دائم قائم نہیں
بلکہ ایک زمانہ وہ تھا جو ہم پردۂ عدم میں مستور تھے اور پھر ایک زمانہ آنیوالا ہے کہ ہم اوسی پردہ میں مستور ہو جاوینگے
گے تو ہمارا وجود محدود بین العدمین ایسا ہوگا جیسا نور زمین یا یوں کہو نور روز مین الظلمتین یعنی جیسے یہاں ایکطرف
ظلمت شب گذشتہ اور ایکطرف ظلمت شب آیندہ ہے ایسے ہی یہاں بھی دونوں طرف دو عدم ہیں ایک عدم سابق
ایک عدم لاحق جیسے وہاں بین الظلمتین آمدہ شدہ نور ہے ایسی ہی یہاں بین العدمین آمدہ شدہ وجود ہے مگر جیسے وہاں
اس آمدہ شدہ نور سے ہر کسیکو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ نور زمین خانہ زاد زمین نہیں بلکہ کسیکی عطا اور وارد ہے ایسے ہی اس
آمد و شد سے اہل عقل کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ وجود مخلوقات خانہ زاد مخلوقات نہیں کسیکی عطا اور وارد ہے سو جیسے
وہاں اسکے بعد یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ فیض آفتاب ہے جسکا نور اوسکے حق میں ظاہر خانہ زاد ہے یعنی کسی اور منور چیز
سے مستفاد نہیں اور ہے تو جس سے مستفاد ہے اوسکے نور کو یا اوس سے آگے کسی اور کے نور کو اوسکا خانہ زاد کہنا
پڑیگا ایسے ہی یہاں بھی یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ وجود اوسکا فیض ہے جسکا وجود اوسکے حق میں خانہ زاد ہے سو وہ
کون ہے خدا ہے غرض جیسے بہ نسبت نور زمین بوجہ آمد و شد یہ یقین ہو جاتا ہے کہ ہو نہو کسیکی عطا ہے ایسے ہی بہ نسبت وجود
مخلوقات بوجہ آمد و شد مذکور وہ یقین ہو جاتا ہے کہ ہو نہو عطاء غیر ہے اور کیوں نہو جیسے نور ہر چند معروض اشکال
منورہ ہے مگر پھر ایک صفت ہے اور صفت کوئی صفت کیوں نہو اوسکے لئے کوئی مصدر و منبع یعنی موصوف
بالذات چاہیئے فقط معروض کافی نہیں معروض میں جو کچھ ہوتا ہے وہ عطاء غیر اور فیض غیر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ عطاء

جزاو فیض خیر کیسے وہ عنبر اول چاہئے اسی خیال پر حکما متقدمین و متاخرین اور عقلا اولین و آخرین اس بات کے
قائل ہوئے ہیں کہ ہر وصف بالعرض کیلیے کوئی موصوف بالذات چاہیے اور عقلا اور عقلا تو درکنار اونکے عقل و آ
ہی اتنی بات سمجھتے ہیں اور کیونکر نہ سمجھیں یہ بات کون نہیں سمجھتا ایسے ہی وجود ہرچند معروض حقائق ممکنہ
ہے مگر پھر ایک صفت ہے اور صفت کوئی کیوں نہو اوسکے لیے کوئی مصدر اور مخرج یعنی موصوف بالذات چاہیے
بالجملہ جیسے وہ نور جو معروض اشکال منورہ ہے اور بظاہر زمین و غیرہ ذو اشکال اشیا پر عارض معلوم ہوتا ہے اصل میں
کسی منور بالذات کے ساتھ قائم ہے یعنی آفتاب جیسے بظاہر معلوم ہوتا ہے یا کوئی اور ایسے ہی وجود جو معروض حقائق ممکنہ
ہے اور بظاہر ممکنات پر عارض معلوم ہوتا ہے اصل میں اوسی موجود بالذات کے ساتھ قائم ہے جسکو خدا کہیے الحاصل معروض
حقائق ممکنہ وہ وجود ہے جو ذات خداوندی سے نسبت رکھتا ہے جیسی نور منبسط مذکور ذات آفتاب سے یعنی جیسے آفتاب اپنے منور
ہونے میں کسی نور کا محتاج نہیں بلکہ وہ خود نور مجسم ہے اور یہ نور خود اوسی سے صادر ہوا ہے اور اپنی نورانیت کی تحقیق میں اوسکا
محتاج ہے ایسے ہی ذات خداوندی بھی اپنی تحقیق میں اوس وجود منبسط کی محتاج نہیں جو تمام حقائق کو محیط ہے اور جسکا
ذکر چھڑ رہا ہے بلکہ وہ خود اصل وجود اور بذات خود موجود ہے اور یہ وجود بھی اپنی تحقیق میں اوسکا محتاج ہے اب یہ
گذارش ہے کہ ارباب عقل سلیم تو ان مضامین سے انکار نہیں کرسکتے یہ مضامین خود اونکے دلنشین ہوجاتے ہیں ہاں تیرہ
طبع اور عقل کے اندھے انکار کریں تو اور کیا کریں جو ایسے لوگوں کو اور تو کچھ میسر نہیں آتی بوجہ نادانی و نارسائی ذہن
فرماتے ہیں تو یہ فرماتے ہیں کہ مخلوقات میں جیسے برے سب ہیں اگر وجود مذکور مادہ عالم ہو تو مخلوقات کی برائی
وجود خداوندی تک پہونچنا لازم آئیگا اور اوسکے سبب خدا کو بھلا برا کہنا پڑیگا اور یہ نہیں سمجھتے کہ اگر برائی بوجہ علت
ہے تو خدا تو علت ہی ہے تو وہ علت مادی اس صورت میں وجود مذکور مادہ سہی دو ایک امر مقابل ہوا مگر مادہ کو
بہرحال علت مخلوقات کہنا پڑیگا اور وہی خرابی کی خرابی سر رہیگی اور اگر یہ برائی بوجہ مادیت عارض ہوگی
تو حاصل اعتراض یہ ہوگا کہ ایک منزہ چیز جو برائیوں سے پاک ہے برائی کے مادہ ہونیکی وجہ سے بری ہو جائیگی
مدنی اور اوسکی صفت کی برائی اگر مسلم نہیں ہوسکتی تو اسی وجہ سے نجس ہوسکتی کہ وہ اصل میں پاک اور
مقدس ہے مگر ہے تو اوس آپکے مادہ ہی میں پہلے سے کیا پاکی تھی جو اوسکی نسبت یہ جرأت ہے خاص
وہ مباینہ بھی اصل سے برائی بھلائی سے برتر ہے وہاں بھی وہی بات لازم آتی ہے جو وجود مذکور کے
مادہ ہونے میں لازم آتی تھی اور تحقیقی بات پوچھو تو یہ ہے کہ فعل فاعل سے صادر ہوتا ہے اور جو اوسکا
متعلق فعل ہے ظہور میں آتا ہے اور مفعول ہوتا ہے تو اوسپر واقع ہوتا ہے بہرحال فعل کیطرف سے

تاثیر موقوف ہے اور نیچے کیطرف تنزل ونشا ہو تو فاعل مفعول بنجاوے اور مفعول فاعل ہوجاوے سو قصہ
ہستی میں خدا فاعل ہے اور وجود مذکور ایک فعل یعنی مابہ الفعل اور مبدا افعل یعنی جیسے نور جو اصل میں مصدر
یعنی ایک فعل ہے اون شعاعوں کو کہتے ہیں جو مبدا تنویر اشیا ہوتی ہے علی ہذا القیاس بصر جو اصل میں
ایک مصدر اور ایک فعل ہے اوس نور یا قوت کو کہتے ہیں جو مبدا ابصار مبصرات ہوتا ہے اسیطرح علم وفہم
جو اصل میں ایک مصدر ہے اوس قوت کو کہتے ہیں جو مبدا انکشاف معلومات ہوتی ہے ایسے ہی وجود
بھی جو اصل میں ایک مصدر ہے اوس جوہر کو کہتے ہیں جو مبدا موجودیت وہستی موجودات ہوتا ہے غرض
ذات خداوندی قصہ ہستی میں فاعل ہے اور وجود مذکور فعل یعنی اثر اور حقائق ممکنہ مفعول مطلق ہیں جو
اصل میں مفعول ہوتا ہے کیونکہ مفعول بجاے مفعول مطلق ہے اور مفعول مطلق ہوتا ہے چنانچہ خدا ان
میں جو بار جارہ ہے وہ استعانت کیلئے ہے اور ہی ضمیر وہ لام مفعول کیطرف [illegible]
مفعول کیطرف مشیر ہے مثلاً آفتاب فاعل ہے اور نور منبسط افعال ورود شکل جو اوسکے باطن میں ہو وہ
شکل زمین غیر منقش ہوجاتی ہے مفعول مطلق اور خود زمین بلکہ وہ شکل جو اوسکی ساخت میں ہے مفعول ہے
مگر چونکہ شکل منقش فی باطن النور مطابق شکل زمین بنتی ہے بلکہ وہ سیہ بنتی ہے تو نور ونزاول متصل ہے
دوا مفعول مطلق مذکور ہوگا اسپر اور مفعولونکو قیاس کر لیجئے گرچہ تو مفعول مطلق کی تاثیر فعل مذکور
میں جا لگی اور فعل کی تاثیر فاعل میں پہنچ جاویگی مفعول مطلق تو دور رہا غرض مخلوقات کی [illegible]
برائی وجود مذکور تک بھی نہیں پہونچ سکتی ذات خداوندی تو درکنار اور موٹی مثال درکار ہو تو دیکھئے
نور آفتاب پاخانہ پیشاب سب پر پڑتا ہے اونکو منور کردیتا ہے اور آپ اون کے سبب ناپاک نہیں ہوتا
علم خداوندی اور علم غیر خدا حسن وقبیح سب پر واقع ہوتا ہے مگر معلومات قبیحہ کے سبب علم
وعالم قبیح نہیں ہوجاتے نور آفتاب اچھی بری شکلوں پر واقع ہوتا ہے اور اونکو روشن کرتا
ہے اور اونکے قبح کے باعث خود قبیح نہیں ہوتا جب وجود میں یہ بات ہے تو وجود میں کیوں نہ
[illegible] کیونکہ وہ اور وجود اور سب وجود سے نیچے کے درجہ میں ہیں کیونکہ وجود سے اوپر اور وجود کی برابر
[illegible] ظاہر ہے کہ نیچے کے درجہ کی چیزیں اکثر اگر ہیں وجود فاعل ہیں تو وہی وجہ مفعول ہیں
[illegible] اونکی چیزوں خاص کر وجود میں جہت فاعلیت ہی اصلی ہے یہی وجہ ہے [illegible]
[illegible] ہے اور سوائے اعتبار مفہومات تنزعیہ اور کسی طرح وہ مفعول نہیں یعنی معبود محبوب وغیرہ

اوسکو کہو مگر سب جانتے ہیں کہ عبادت و محبت میں مثلاً کوئی تاثیر اوسکی ذات میں واقع نہیں ہوتی اور یہاں اسے
نہ علیت و معلولیت کا ذکر ہے جسمیں فاعل کا اثر مفعول پر واقع ہو جواب یہ گذارش ہے کہ مادہ عالم پرمانو ہے
حدوث مخلوقات کو یوں تعبیر کیا کرتے کہ فلانی چیز پرمانو میں سے نکل گئی اور یوں نہ کہا کرتے کہ وجود میں آگئی بلکہ
خود پرمانو گر فرض کرو ہوں تو وجود میں آگر مادہ اجسام بنتے ہیں غرض جو اگر مادہ ہیں تو مادہ اولی نہیں یا وہ اولی کہ
وجود ہے یہی وجہ ہے کہ محققان اہل اسلام اوسکو ہیولیٰ اولی کہتے ہیں جن ظاہر پرستوں کو عقل سے مناسبت
نہیں ہوئی وہ وہاں تک نہیں پہونچتے اور اشارات محاورات طبعی کو نہیں سمجھتے یہ نہیں سمجھتے کہ یہ علم طبعی
جوہر کسیکی طبیعت میں مرکوز ہے کہ حدوث مخلوقات یہی ہے کہ وجود میں آجائیں چنانچہ اسی قسم کے الفاظ سے
اس مضمونکو تعبیر کرتے ہیں درحقیقت ایک امر الہامی ہے چنانچہ بعد تتبع آخر اہل عقل خود سمجھ گئے ہونگے
گو ہمارے لالہ صاحب اب بھی وہی مرغی کی ایک ٹانگ کہیں گے اور کیونکر نہ کہیں گے ابتک جو کہی سب چشم بد دور
ایسی ہی کہی ہے دیکھئے یہ بھی بے سر ہی آپ ہی الاپتے ہیں کہ یہ بات معترض صاحب کی کہ جو ہست ہے
وہی قدیم ہے بالکل غلط ہے ؎ یہ اوسیکے لب و دنداں نے دکھایا ورنہ ٭ لعل سے سلک گہر نکلے دکھا
ہو کا ٭ لالہ صاحب یہ مضمون تو دیکھا نہ سنا تھا آپ ہی نے سنایا اور سوا آپکے اور کوئی سنائی تو کیونکر سنائی
آپ عربی میں طاق فارسی میں پاس سنسکرت آپ کی خانہ زاد انگریزی آپکی لونڈی کی جنی پھر آپ سے
کوئی مضمون چھوٹے تو کیونکر چھوٹے معترض بیچارہ ابھی اسی خیال میں تھا کہ ہست و نیست میں تناقض ہے
ان دونوں کا اجتماع محال ہے اسلئے ہست پر نیست عارض ہو تو کیونکر ہو مگر اوسکو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ سب
باتیں پرانی ہو گئیں علوم قدیمہ ردی ہو گئے اب وہ دوربینیں ایجاد ہوئی ہیں کہ محالات سے باریک
باتیں جو اوروں کے ذہنوں میں نہ آتی تھیں آشکارا نظر آنے لگیں پھر جنکو دوربین کی بھی ضرورت نہو
بلکہ اونکا ذہن خود ایک دوربین غلط ہو جیسے ہمارے لالہ صاحب اونکے تو کیا کہنے اسوقت بجز اس مصرعہ کے
اور کیا عرض کروں ٭ پالا پڑا ہے ہمکو خدا کس بلا کے ساتھ ٭ آگے لالہ صاحب اپنے اسی خیال محال کی
بنا پر اپنی بے تکی دھماتے فرماتے کیا فرماتے ہیں جبتک کہ پرمانو کو قدیم نہ مانا جائیگا تب تک پیدائش دنیا بھی ممکن نہیں
ہو سکتی نہ کوئی ثابت کر سکتا ہے کر سکا اور نہ کر سکیگا کیونکہ جو چیز معدوم ہے وہ کبھی ممکن نہیں ہو سکتا اس ارشاد میں اور تو جو
کچھ تھا سو تھا پر ایک بات میں لالہ صاحب بہت بچے میرے نزدیک آپ نے اونکو مستثنیٰ کر لیا تھا آخر آپنے ایک محال کو بھی
ممکن بنایا اونکا حال خدا جانے ماں کوئی اتنا بھی تو نہیں جو اونکو سمجھائے کہ صاحب آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں شبدیز قلم

کو کیوں تھکاتے ہیں آپ کے ان مضامین عالیہ کو کون سمجھیگا ابتک لوگ اسی خیال میں ہیں کہ وجود اور مصدر وجود
یعنی ذات باری تعالی اور مقتضیات وجود یعنی کمالات باری تعالی کا قدم لازم ہے کیونکہ بنا بر ضرورت قدم سب
پر ہے کہ عروض عدم نہو سکے سو ایسی چیز جسپر عروض عدم نہو سکے سوائے وجود اور مصدر وجود اور صادرات کے
اور کونسی چیز ہو سکتی ہے وجود کا حال تو خود ظاہر ہے کہ وہ نقیض اور ضد عدم ہے اگر اسکا عروض دوسرے پر ہو تو
اجتماع النقیضین اور اجتماع الضدین لازم آئے باقی رہا مصدر وجود اور صادرات تو وجود انکی وجہ یہ ہے کہ مصدر اور
صادر میں تفاوت شدت وضعف ہوتا ہے اور اسی وجہ سے القاب اسما جدا جدا ہو جاتے ہیں ورنہ اصل حقیقت
میں اشتراک اور اتحاد ہوتا ہے چنانچہ پہلے اسکی طرف اشارہ کر چکا ہوں ان تینوں کے سوا جو چیز صفحہ ہستی
پر آئیگی اوسکے یہ معنی ہونگے کہ عین وجود تو نہیں پر وجود اوسپر یا وہ وجود پر عارض ہے کیونکہ دو مفہوم متباین
میں جو اتصاف ہوتا ہے تو بوجہ عروض باہمی ہوا کرتا ہے اوسکے لیے سوائے عروض اور کوئی صورت نہیں مثلاً زمین
اور نور اور آب اور حرارت انمیں جو اتصاف ہوتا ہے تو بوجہ عروض ہوتا ہے زمین پر نور عارض ہوتا ہے تو
اتصاف زمین بالنور حاصل ہوتا ہے اور آب پر حرارت عارض ہوتی ہے تو اتصاف آب بالحرارت حاصل ہوتا
ہے بوجہ تباین باہمی یوں نہیں کہہ سکتے کہ ایک دوسرے سے صادر ہوا ہے ایک دوسرے پر عارض نہیں کیونکہ یہ دونو حقیقت
میں تباین نہیں ہے وجہ اسکی یہی ہے کہ صادر و مصدر میں فقط فرق شدت وضعف ہوتا ہے اصل میں شریک ہوتی ہیں
بلکہ ایک دوسرے میں مندرج اور مندمج ہوتے ہیں مرتبہ ظہور میں یہ فرق مصدر و صادر پیدا ہوتا ہے یوں سمجھ
میں نہ آئے تو چراغ کو کسی ظرف میں رکھکر دیکھ لو وہ تمام شعاعیں جو دور دور پھیلی ہوئی تھیں کا اوٹ معلوم
کے باعث لوٹ کر شعلہ چراغ میں سما جاتے ہیں اور اگر فرض کرو کوئی ایسی چیز ہاتھ آئی جو منزلہ قالب شعلہ چراغ پر مطابق
آجائے پھر فرض کرو شعلہ چراغ گل بھی نہو تو سب تماشہ ہیں کہ شعاعیں بالکل شعلہ چراغ میں محو و متلاشی ہو کر سما
جائینگی اس تمثیل سے صاف نمایاں ہے کہ یہ فرق شعلہ و شعاع مرتبہ ظہور و صدور میں ہے ورنہ اصل میں وہی شعلہ چراغ ہے اور
کچھ نہیں الحاصل سوا حقائق ثلثہ مذکورہ جو قبل مرتبہ صدور وہ سب ایک تھیں اور جو کچھ صفحہ ہستی پر نمایاں ہوتا ہے وہ
بوجہ عروض نمایاں ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ عروض میں الامور المنفصلہ ہوتا ہے اور جہاں پہلے انفصال
تھا وہاں بعد میں بھی انفصال ممکن ہے یہی وجہ ہے کہ زمین سے نور علاحدہ ہو سکتا ہے آب سے حرارت علاحدہ ہو سکتی
ہے پر جہاں اول سے اتصال ہوتا ہے یا اتحاد ہوتا ہے وہاں انفصال محال ہے یہی وجہ ہے کہ نور شعاع اور نور شعلہ
اور شعلہ سے منفصل نہیں ہو سکتا علی ہذا القیاس شعلہ و شعاع میں انفصال محال ہے اب یہ گذارش ہے کہ خدا سے

ہیں چاندا پور سے پہلے کبھی مولوی محمد قاسم صاحب اونکو پالا نہ پڑا تھا اسلئے وہاں نہ دس آدمیوں کی قید
تھی نہ مجمع عام سے انکار نہ فساد کا اندیشہ تھا نہ غلط کا کھٹکا نہ تحریر کی ضرورت تھی نہ گوشۂ تنہائی کی حاجت جب
کے مجمع عام کی رسوائی دیکھکر یہ سوجھی کہ یوں سر بازار کیوں فضیحت ہو جیسے گوشۂ تنہائی اور دس آدمی ہونگے
تو جتنے اونکے کہنے والے ہونگے اتنے ہی ہمارے مجمع عام ہوگا تو حقیقت الحال چھپی نہ رہیگی پھر جب لفظ لفظ لکھا
جائیگا تو اونکی طلاقت لسانی اور میری کوتہ بیانی برابر ہو جائیگی آئندہ اہل اسلام سے بوجہ تہیدستی یہ امید ہی
نہیں کہ روئداد مباحثہ کو چھاپیں ورنہ چاندا پور کی کیفیت اور رڑکی کا واقعہ ہی کیوں آج تک یوں پڑا رہتا
شائع ہوتا میاں چاندا پور ہم جو چھاپیں گے چھپوا دینگے اور خوار ہونگے جب سچ رد ہو جائیں گے اسلئے کہیں فساد کا کھٹکا
زبان پر آتا تھا کہیں شہرت غلط کا اندیشہ بیان ہوتا تھا غرض ایک بہانہ ہو تو کہوں مگر آفریں ہے اونکے چیلوں
کی خوش فہمی پر کہ اسپر بھی ترک کی بات نہیں سمجھتے کیسکو یہ بھی ہوش نہ آیا کہ سرکاری عملداری اور انتظام
سرکاری ایسا نہیں کہ کوئی فساد کر سکے فرمانروا لاہور اور بادشاہ لکھنؤ اور راجای بڑودہ اور کابل
تو سرکار سے مونہہ ملا بھی نہ سکیں فساد کرینگے تو کون مولوی محمد قاسم صاحب جو مطبعوں کی مزدوریاں کر کے اپنا
پیٹ پالیں علاوہ بریں اگر فساد ہوتا تو اول تو مولوی محمد قاسم اور اونکے ہوا خواہ گرفتار ہوتے پنڈت
جی کو اتنا ہی کافی تھا کہ ہمنو پہلے ہی کہیں تھے اور ہندوؤں پر اطمینان اور مسلمانوں سے بدگمانی جو ہو نہ ہو جیسے
ہندوؤنکی بدولت سرکار کے دلمیں نقش ہے کام آتی - علاوہ بریں آنرا کہ حساب پاک ہست از محاسبہ چہ باک -
اگر مباحثہ کی جی میں تھی تو کیوں ڈرتے تھے آجتک سیکڑوں مباحثہ ہوئے کہیں فساد نہوا فساد ہوتا تو چاندا پور
میں ہوتا جہانکی بات کی حکام کو خبر بھی ہوتی تو دیر ہوتی یہاں مجمع حکام عمدہ انتظام دو کوتوالیاں کنسٹبل
بکثرت رسالہ پلٹن رجبن لال کرتی موجود اسپر بھی پنڈت جی کو خوف ہو تو اسکے یہی معنی ہوئے کہ پنڈت جی سرکار کو کچھ
سمجھتے ہی نہیں معہذا فساد کا وقت وہ تھا کہ پنڈت جی مجمع عام میں جی کھولکر مسلمانوں پر اعتراض کرتے تھے
وقت وعظ اگر کسی کی رد کیجیے تو یہ معنی ہیں کہ معترض قطعاً دوسرے کی بات کو برا کہتا ہے اور وقت مناظرہ عرض
ہو تو طلب تحقیق پر محمول ہوتا ہے چنانچہ لفظ مناظرہ خود شاہد ہے مگر وقت وعظ تو مجمع عام میں اعتراض
ہوں اور دس کی قید ہو نہ میں کی پر مناظرہ کا نام آیا تو یہ شرط ہونے لگی کہ دس سے زیادہ آدمی نہوں
سچ پوچھو تو یہ سب بہانے تھے اور اصل جان چرانی تھی پھر لفظ لفظ کی تحریر مباحثہ زبانی میں اسکو
ہٹ دھرمی نہیں کہتے تو اور کیا کہتے ہیں پنڈت جی کی جو بات دیکھی نرالی ہی دیکھی اس سے زیادہ

اور کسطرح علان ہو سکتا ہے کہ مجمع عام میں ایک بات ظاہر ہو جائے تحریروں سے فقط اگر شہرت
ہوا کرتی تو کتابی باتیں سب عام خاص کو معلوم ہوا کرتیں ہاں جو باتیں مجمعوں میں ہوئی ہیں اگر پرانی ہیں
جب آجتک نئی ہیں رستم اور حاتم اور سکندر اور مجنوں کے افسانے آجتک زبان زد خاص و عام ہیں مگر
جواب بولنے میں بھی اوتنی دیر لگتی ہو جتنی لکھنے میں و طلیق اللسان لوگوں سے برابر پڑیں تو پہلے تحریر کیونکر پیش
الحاصل اصل وجہ یہ ہے یوں پردہ داری کیلئے جتنی باتیں بناؤ بجا ہے اگر اسپر بھی یقین نہو تو آپ پنڈت جی سے
کہدیکھئے ہزار منتیں کروگے تب بھی مباحثہ کیطرح مباحثہ پر مولوی محمد قاسم صاحب کے مقابلہ میں آمادہ ہو جائیں تو ہم
جھوٹے تم سچے لالہ صاحب اگر آپ ان فرودوں سے آگاہ ہوتے تو پنڈت جی کے نام کا کتا بھی پالتے مگر
تمہاری قسمت اور کے نصیب دیکھئے کیسے کیا ہوتا ہے لالہ صاحب اگر واقعات مطبوعہ ہی پر مدار تصدیق ہے
تب تو خیر ورنہ کوئی تین چار سے کچھ کم ذیشان ہوئے ہونگے کہ واقعی حال چاندا پور کا ہمارے احباب کے پاس موجود ہے علی ہذا
القیاس روڑکی میں جو کچھ اعتراض قبل رونق افروزی جناب مولوی محمد قاسم صاحب مجمع عام میں پنڈت
جی نے کئے تھے اور ان کے جواب بعد فرار پنڈت صاحب و انقطاع امید مباحثہ جو مولوی صاحب ممدوح نے مجمع
میں سنائی تھی وہ سب لکھے لکھائے مرتب رکھے ہوئے ہیں یہاں تو بوجہ تنگدستی چھپ سکے نہ چھپنے کی امید
اگر آپ چھاپ دیں تو نفع نقصان سب آپکا رہا بلکہ ایک سالہ میں اگر آپ اپنی واہیات اور ایک میں ہمارے خیالات
چھاپ دیا کریں تو آپکے اس رسالہ ماہوار کا جواب بھی ہمارے سر رہا اس صورت میں آپکی اس رسالہ کی خریداری
بھی بڑھ جائیگی اور نفع بھی قرار واقعی ہوگا خیر یہ تو ہولی لالہ صاحب کے رسالہ کی باتیں کیجئے ہیں تو لالہ صاحب
یہ فرماتے ہیں کہ مادہ کی تعریف نہ ہوئی جسکا مطلب مرا فی المعنی فی بطن الشاعر ہے کہ مصداق کیا ہے اور آپ
تصریحات وید کی نسبت جن سے بطلان قدم مادہ آشکارا اتحاد وہ آل بنال گاتے ہیں کہ کیا کہئے کوئی لالہ صاحب انسے
کہنے والا بھی نہیں کہ موافق قواعد مناظرہ ہمارے ذمہ تعیین مادہ کب تھی معترض کا کام ابطال مطلب ہی ہوتا ہے
بیان اصل حقیقت نہیں ہوتا ہاں آپکے عقیدہ قدم مادہ کے تو یہ کی ہوتی اور ہم سے استفسار محل حدوث فرماتے
تو یکنہ بت بھی تھی البتہ معتقدان وید کی ذمہ اگر وہ مادہ قدیمہ کے بھی قائل ہوں تو یہ بات ضرور ہے کہ تصریحات
مذکورہ کا جواب دیں مگر عجب حال ہے کہ اعتراض کے جواب کا تو پتہ نہیں اور معترض سے استفسار اصل حال ہے یہ بات بعد
سکوت مدعی معترف عقلی دعوی یا ہے اور بھلا اور استفادہ بھی ہے کے کیا معنی خیر جسنے تب ہے ضرورت بھی بتلادیا
اور آپکے ضرورت پڑا تم قول ہی تبدیلی اور جواب کے نام ایک حرف بھی لکھا مگر لکھتے تو کیا لکھتے کچھ لکھ سکتے ہوں تو

پنڈت جی کا نہیں شعر ذوق - نہ ناپنہ وش ذر بہ چشم تر • عنبر کی تجکو کیا پڑی اپنی نبیڑ تو • لالہ صاحب
سنئے معترض نے جو کچھ لکھا ہے سو ڈاسد جی بادری کی ہے کسی پنڈت نے کچھ نہیں لکھا جو آپ یہ فرماتے ہیں کہ
کسی بیوقوف پنڈت نے - آپ یکے دیگرے بیوقوف کہتے ہیں ہمارے نزدیک سبھی پنڈت ایک سے ہیں باقی رہا سوط
اسد جی بادری مانند مصنف سوط اسد نے جو کچھ لکھا ہے وہ اون ترجموں کے ذریعہ سے لکھا ہے جو قدیم زمانے میں بڑے
بڑے پنڈتوں سے کئے گئے تھے ذکی لیاقت کو آپ دراپنے گرو تک کیا آجکل کے بڑے بڑے فاضل بھی زبان سنسکرت کے
نہیں پہنچتے اونکو کہ آپکے زمانے کے ہنوسل پلیس کے قانون کی خبر ہے مکاشفہ ہو گئی ہو اور دتہ من میں ترجمہ کرنیکا
اتفاق ہوا ہو اور اسلئے کچھ کا کچھ لکھ گیا ہو تو کیا بعید ہے سچ یوں ہے کہ نہ آپ وید کے واقف نہ اونکے متعلق امور کے
اونکو خبر جواب نہیں آتا تو یونہیں چھوڑ دیا ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کاتب کی غلطی سے کچھ کا کچھ لکھا گیا ہو مگر آپ کیسے آپ
نے اُردو کی ٹانگ توڑی اور منشی اور مصنف بن بیٹھے اور پھر وہ الفاظ اور محاورات نامعقول بولے کہ زبان اُردو
اُردو تو جیتے جیتے لوٹ جائیں تو دوزخیوں میں بھی کیا سہو کاتب ہی محتاج ہوتے ہیں کہ آپکے مناسب شان یہ مصرعہ ہے
نو غلط سطر غلط انشا غلط املا غلط • اسکے بعد آپ بحراست خواب پریشان میں بڑبڑاتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ طریقہ
نجات لینے مذہب کا در مذاہب میں آ رہی نہیں اسکے سچ جھوٹ کی کیفیت چاندا پور کے مباحثہ سے بخوبی ثابت ہوئی
ہے دیکھئے کہ ملتی کو سوامی جی نے کیسے عمدہ طریقہ سے بیان کیا ہے انتہی لالہ صاحب جی کہاں کہاں چھلانگیں مارتے ہیں
کوئی آپسے پوچھے کہ کس مناسبت پر یہ ابیات گذشتہ میں اور ناگفتہ بہ پیوند لگایا لالہ صاحب بڑی کھاتے ہوش میں آئیے کہیں
آپکے سننے اور پڑھنے والوں کی تشنگی اور پنڈت جی کے جھوٹ سچ کی کیفیت چاندا پور آنے والوں کو معلوم ہو تو بڑا افسوس وہی کیفیت
کے دیکھنے نے جو ال ... مرتب کی تھی یہ نوبت پہونچی جو آپ اپنے منہ میاں مٹھو بن بیٹھے لالہ صاحب ہمکو اس
تو دیکھنا ہی کام تھا مگر بقول شخصے دروغ گو را تا بدر دروازہ باید رسانید جنسے تو آپ کی لیس لی اور مولوی محمد قاسم
صاحب نے پنڈت جی کو میرٹھ سے بھگا کر کہیں کا کہیں پہونچایا غرض جس جا آپ چلتے ہیں ہم بھی ساتھ
ہی پیچھے پیچھے آتے ہیں ؎ ہم وہ نہیں کہ تم ہو کہیں اور کہیں ہوں ہم • میں ہوں تمہارا سایہ جہاں تم وہیں ہوں ہم •
ہاں تو لیجئے اعتراض معترض کے متعلق کچھ اولتے جاتے تھے اسکے بعد آپ میدان مناظرہ سے بھاگ
ہوش تو ہیں قرآن میں جا کے پہاکتی میں اول تو کسی دنت کے پتھر کے دو قطرے لکھے تھے جنکے دیکھنے سے یوں معلوم ہوتا
ہے کہ ہاں دستکے کہنے والیکو چھونا تو کہاں نصیب البتہ شاعران فارسی کا فسانہ میسر آیا ہے یہی وجہ ہے کہ مصنف
نے جنگلی ذی جاٹ کر لالہ صاحب کی زبان بھی تیزیوں پر آئی ہے مثل مشہور ہے ... کبھی کچھ کا کھایا ویگل دیا

ناظران اوراق کو معلوم ہوگا کہ ہمنے ابتک وید کو بُرا کہا ہے نہ پیشوایان دین ہنود کو بُرا کہا ہے اور بُرا کہیں تو اب
کہیں یہ کام وہ کیا کرتے ہیں جنکو جواب نہ آئے پر لالہ صاحب یُوں سمجھکر کہ اہل اسلام سے پالا جیتا اگر مقصود
ہے تو یوں متصور ہے کہ اونکے قرآن اور پیشوایان دین و ایمان کو بُرا کہئے وہ غیظ و غضب میں آوینگے
اور ہم بہ بہانہ اندیشہ فساد مفت چھوٹ جائیں گے یہ طرز اختیار کی اور پہلے ہی بار وہ مونہہ آئے کہ جو ایسر
دہن کہئے تو بجا ہے خیر جیسے اور تو کچھ ہو نہیں سکتا پیشوایونکو بُرا کہئے تو اونکا کیا قصور اور پھر یہ بھی
خیال کہ شاید اپنے زمانہ کے بزرگ ہوں اور جو کچھ حرکات ناشایستہ اونکی طرف منسوب ہیں عجب نہیں غلطی
تاریخ ہو اور اونکے ویدوں کو بُرا کہئے تو کیا ضرورت اور پھر یہ احتمال کہ شاید کوئی مضمون الہامی ہو
اور شرک وغیرہ امور باطلہ کی تعلیم جو اوس میں درج ہے کیا عجب ہے از قسم تحریف ہو ہاں ایک حکایت
اور چند اشعار عرض کرتا ہوں ایک کبھی بنانیوالا اتفاق سے عطر فروشوں کے بازار سے گذرا کبھی چمڑے
کی بو کا خوگردہ تھا خوشبو کا متحمل نہو سکا غش کھا کر گر پڑا اوروں نے گرمی وغیرہ کے احتمال پر لخلخہ سونگھانا
شروع کیا مگر وہاں بجائے افاقہ موافق مصرعہ - مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی ٭ اور غش پر غش آنے لگے
اوسکے بھائی کو اس افسانہ کی خبر ہوئی اوس علاج مخالف کو سنکر گھبرایا اور تھوڑا سا بلّی کا گُہ ہاتھ میں دبا کر
دوڑا اور پاس آکر یہ کہا کہ سب صاحب علاحدہ ہو جائیں وہ ادھر اودھر ہوئے اس نے وہ بلّی کا گُہ اوسکی ناک پر رکھا
بوئے مطبوع پہونچتے ہی مریض کو ہوش اور بھائی کی جان میں جان آگئی غرض جیسے اوس دماغ کو عطر سے غش
اور بلّی کے گُوہ سے ہوش آئے اوس سے تکلیف اس سے راحت ہوئی ایسے ہی گندہ طبعوں اور کج عقلوں کو قرآن
شریف اور اوسکے مضامین سے نفرت اور کدورت اور اون مضامین باطلہ سے جو بلّی کے گُہ سے بھی بدتر
ہیں رغبت اور فرحت ہوتی ہے قرآن شریف میں بھی شاید اسی کی طرف اشارہ ہے جو یہ ارشاد فرمایا یضل بہ
کثیرا و یہدی بہ کثیرا - اب کچھ اشعار بھی سُنئیے **مثنوی** عقل صورت پرست قوم ہنود ٭ چوں شد از دود کفر
کور و کبود ٭ ابلہی چند محو نادانی ٭ بیخبر از جمال پنہانی ٭ بہ نشنید از رہ طغیان ٭ کعبہ از سنگ خارہ و قرآن ٭
پارہ پارہ است این چہ آئین ست ٭ این چنین طعن شان برین دین ست ٭ باچنان عقل تیرہ ساز جہاں
عزم اطفاء نور حق در جان ٭ عقل کجباز و تیرہ باز بدل ٭ ہوس آنکہ حق شود باطل ٭ آنچنان عزم و اینچنین
ساماں ٭ تف برین دعوی و دلیل شان ٭ گل بود بہر بلبل بیتاب ٭ خار در چشم زاغ خانہ خراب ٭
شب بر آنرا آفتاب چہ کار ٭ چہ شمیم عطر کرمک گُہ خوار ٭ کرم بول و براز نادانی ٭ کے رسد تا بلطف قرآنی ٭

کوئی آپ سے پوچھے مضمون کسکا نام ہے اگر معانی الضمیر کو مضمون کہتے ہیں تو کون سا کون دن بھی اخفائے
الضمیر پر قادر ہے اگر یہ ہے تو ایسے لوگ بھی فصیح و بلیغ ہونے چاہئیں مگر ایسوں کو آپ کے سوا اور آپ
کے ہم مشربوں کے کون فصیح و بلیغ کہے گا اور اگر کوئی خاص مضمون مرکوز خاطر ہے تو اوس کا پتہ
اور کیا نشان ہے اور اگر عمدہ مضمون مراد ہے تو اول تو عمدگی کی بھی کوئی حد نہیں دوسرے بوجہ اختلاف
مذاق ہر کسیکو جدی قسم کا مضمون بھاتا ہے اور پیارے لگنے پر مدار کار ہے اور سکاٹر ڈی صاحب کا قول
ہے کہ اپنی ہی زبان پیاری لگتی ہے تو یوں کہو آپ کے نزدیک اور نیز ایسے ہی ناواقفوں کے نزدیک
زبان سنسکرت بھی غیر فصیح ہے افسوس بحث کے لیے تیار اور اصل بحث سے آگاہ نہیں۔ لڑنے
ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں * صاحبو فصاحت اور چیز ہے اور بلاغت اور چیز ہے اور ان اوصاف
کو کسی زبان سے اختصاص نہیں ان دونوں وصفوں کی تعریف اور تعیین اور اجمال اور تفصیل کے
لئے ایک دفتر طولانی چاہیے کیونکہ یہ بحث طویل الذیل ان اوراق کو اوس سے کیا نسبت مگر دو باتیں
مناسب مقام سمجھکر عرض کرتا ہوں الفاظ لباس معانی ہیں اور لباس کا حال معلوم ہے کہ سبھی قسم کا
ہوتا ہے موزوں و مطابق اور غیر موزوں و غیر مطابق پھر اوسپر لباس میں فرق قسم جدا ہوتا ہے
اور فرق بالائی جدا یعنی کوئی انگرکھہ مثلاً تنزیب کا ہے کوئی نین سکھ کا یہ فرق تو فرق ذاتی ہے
اور فرق قسم اور اوپر کسی انگرکھہ پر بیل بوٹا سنجاف وغیرہ ہوتا ہے کسی پر نہیں ہوتا یہ فرق بالائی
ہے اسکے بعد یہ گذارش ہے کہ بلاغت حسن انطباق کا نام ہے اور فصاحت حسن ذاتی کو کہتے ہیں
اور حسن بالائے کمالات بدیعی میں داخل ہے جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو ناظران خوش فہم کو یہ
بات خود معلوم ہو گئی ہوگی کہ مضمون بندی یعنی ایجاد مضمون اور چیز ہے اور فصاحت و بلاغت
اور چیز ہے غرض کلام فصیح و بلیغ نہ فقط مضامین کا نام ہے نہ خاص مضامین عمدہ کو کہتے ہیں علے
ہذا القیاس کلام فصیح و بلیغ نہ فقط الفاظ کا نام ہے بلکہ انطباق مذکور پر اول نظر ہوگی ورنہ الفاظ
لباس معانی نہ رہیں گے اگر انطباق تام ہے تو بلاغت بھی بدرجہ کمال ہے پھر اوسکے بعد حسن الفاظ
بھی ہے اور وہ بھی اول درجہ میں تو فصاحت بھی کمال کے درجہ کو ہوگی مگر چونکہ انطباق ایک نسبت
باہمی ہے اور نسبت بہ نسبت اطراف نسبت خفی ہوتی ہے تو علم انطباق بہ نسبت علم معانی و علم الفاظ خفی ہوگا
پھر اگر معانی بھی خفی ہیں تو انطباق اور بھی خفی ہوگا اور اسوجہ سے بسا اوقات اتحاد معانی کا وہم ہوگا ایسے ہی ترادف

ن کا بھی گمان ہو کہ ایک موٹی مثال عرض کرتا ہے حسن و جمال کی حقیقت اور عشق و محبت کی ماہیت اسیوجہ سے
سمجھ میں بھی آجاتی ہے علی ہذا القیاس الفاظ مذکورہ بھی اسیوجہ سے اکثر کم فہموں کے نزدیک مترادف ہیں مگر حقیقت
شناسان معانی نہ حسن و جمال کو ایک سمجھتے ہیں نہ ان دونوں لفظوں کو مترادف قرار دیتے ہیں اور نہ
عشق و محبت کو وہ ایک خیال کرتے ہیں اور نہ ان دونوں لفظوں کو مترادف سمجھتے ہیں جمال کو ایک صفت
قائم بجمیل قرار دیتے ہیں چنانچہ مادہ جمیل سیم نام جس سے ایک لفظ جمل بھی مشتق ہے اسی کا گواہ ہے مطلب یہ ہے کہ جمال
وہ صفت ہے جو تمام اعضاء متناسبہ کے اسی طرح ملنے سے پیدا ہو کہ علاوہ اون نسبتوں کے جو باعتبار مقدار آپس میں ہونی
چاہئیں وہ نسبتیں بھی باہم سے نکل آئیں جو کیفیت وضع اجزاء مطلوب ہیں یعنی جو مقام جس کے مناسب ہے اوس مقام
میں ہو بے تبدل مقامات نہ ہونے پائے اور حسن اوس صفت مفعولی کا نام ہے جو اوروں کی اطلاع اور ادراک سے صاحب
جمال کو حاصل ہوتی ہے حاصل کلام یہ ہے کہ حسن اوروں کو اچھے معلوم ہونے کا نام ہے چنانچہ محاورات عربیہ مثل
مستحسن و حسن عندہ وغیرہ اسپر شاہد ہیں مگر یہ ہے تو پھر حسن و جمال ایک ہو سکتے ہیں اور نہ لفظ حسن و جمال مترادف
بلکہ حسن و جمال پر متفرع ہوگا اور اگر ادراک مدرک میں اعوجاج اور طبیعت مدرک سلیم نہیں تو پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ
جمال ہو اور حسن نہو اور حسن ہو اور جمال نہو علی ہذا القیاس محبت اوس کیفیت کا نام ہے جو بوجہ استحسان اشیاء کسی کے دل
میں جم جائے اور چونکہ تمام افعال اختیاریہ بعد خواہش صادر ہوتے ہیں اسلیے جس سے ارادہ متعلق ہو اوسکو مراد کہتے ہیں
اور خواہش و رغبت محبت سے پیدا ہوتی ہے تو وہ کیفیت محبت تمام حرکات و سکنات و احوال و انقلابات کیلیے بمنزلہ
تخم ہوگی جسکو عربی میں حبہ کہتے ہیں غرض حبہ و محبت کا تقارب مادی اسپر شاہد ہے کہ محبت فقط اوس کیفیت مشار الیہا
کا نام ہے اور عشق اوس نتیجہ محبت کو کہتے ہیں جو بوجہ ناکامی پیش آتا ہے چنانچہ عشق جو ایک چیز از قسم نباتات ہے اور اپنے
گرد و پیش کی نباتات کو لپٹ جاتی ہے اور سکھا دیتی ہے اسیوجہ سے فارسی میں [illegible] اوسکو عشق پیچاں کہتے ہیں اوسکا
عشق سے تعلق ربط ایسے بتلا رہا ہے کہ باہم کچھ تشارک ہے سو وہ تشارک یہی ہے کہ وہ کیفیت مذکورہ تمام روح
کو اور جسم کو محیط ہو جاتی ہے تو اوسکو مضمحل اور اوسکو زرد اور لاغر کر دیتی ہے الغرض مشتی نمونہ خروارے یہ
الفاظ کثیر الاستعمال مگر پھر بھی شاذ و نادر کوئی ماہر و فہیم ہوگا جو ان فرقوں سے آشنا ہو بلکہ بلا تکلف ایک کو دوسرے
کے مقام میں استعمال کرتے ہیں حالانکہ محبت کو عشق لازم تک بھی نہیں چہ جائیکہ اتحاد حقیقت ہو ہاں عشق کو
محبت کا ہونا ضرور ہے اہل فہم کے نزدیک ایسے لوگ ہرگز فصیح و بلیغ نہیں ہو سکتے ہاں جیسے ماش سے گاہ گاہ
کہیں جنتر ہے گو وہ خوبی نہو جو لفظ فی الحقیقہ میں اوسکی ترتیب میں ہوتی ہے ایسے ہی اون لوگوں کی عبارت میں جو اپنے زمانہ

ہیں فصیح وبلیغ کہتے ہیں اور ونکی عبارت سے بہتر ہو گر جیسے خوش آوازونکی آواز کی خوبی ایک امر طبعی و خلقی
ہوتا ہے کسبی علمی نہیں ہوتا ایسے ہی بے علم انطباق خوبی عبارت کمالات علمی میں معدود نہیں ہو سکتی ہاں جیسے
ادائے مضمون اور اظہار مافی الضمیر کے وقت خوش آواز آدمیونکی آواز کی خوبی بے اختیار ظاہر ہوتی ہے ایسے ہی
خوش بیان لوگوں یعنی اون صاحبوں کے مونہہ سے جنکو سلیقہ عبارت میں ایسا ملکہ ہو جیسا خوش آوازونکو گانے میں
ایسی طرح عمدہ عبارت مونہہ سے نکلجاتی ہے جیسے خوش آوازونکے مونہہ سے صوت خوش الحان مگر جیسے وہی خوش
آواز کا گانا جو علم موسیقی سے ناواقف ہو گو خوش معلوم ہو مگر واقفان علم موسیقی کو پسند نہیں آتا ایسے ہی خوش بیان
آدمی کا بیان جو علم انطباق سے بے بہرہ ہو گو خوش معلوم ہو مگر واقفان رموز انطباق مذکور کو پسند نہیں آسکتا
سو اکثر بلکہ تمام شاعران مشاق اور نازان طاق اسی قسم کے ہوئے ہیں اور اگر کسیکو دو چار الفاظ و معانی میں وہ
تمیز فی الجملہ حاصل بھی ہوئی تو کیا ہوا خود مواقع تمیز کا انطباق تام و عدم انطباق معلوم نہیں ہوتا اور یہ توفیق
تو درکنار یہ علم بوجہ اتم اوسکو میسر آئے جسکو اول احاطہ جملہ معلومات ہو دوسرے اور نہیں تو کسی ایک بات میں بعد
الفاظ پر محیط ہو تیسرے حقائق جملہ اشیاء اوسکے نزدیک ایسی طرح متمیز ہوں جیسے آنکھوں والوں کے سامنے دائرہ مثلث
مربع مخمس وغیرہ چوتھے وضع کلی و جزئی و وضع اجمالی و تفصیلی الفاظ سے مطلع ہو وضع کلی و اجمالی تو یہ کہ ہیئت اجتماعی
حروف ہجی کو جو الفاظ میں ہوتی ہے اور ہیئت اجتماعی نسب و اضافات کو جو معانی میں ہوتی ہے جیسے واضع نے
باہم مقابل یکدیگر رکھا ہو اوسکو پورا پورا جانتا ہو یہ نہو کہ بوجہ تلازم معانی جو اکثر ایک حقیقت یعنی ہیئت اجتماعی
نسب و اضافات مشار الیہ کو دوسرے سے ہوتا ہے ایک حقیقت کی جگہ دوسری کو موضوع لہ اور مقابل ہیئت
اجتماعی حروف ہجا سمجھ بیٹھے اور وضع جزئی و تفصیلی یہ ہے کہ خود حروف ہجا کے مسقط اشارہ اور مصداق اور
مدلول کو پہچانے اردو فارسی میں تو اسما اور افعال میں حروف ہجا کے مقابل کچھ معلوم نہیں ہوتا البتہ حروف میں
جہاں کوئی حرف منجملہ حروف ہجا ایک حرف مفرد ہے جیسے با یا باد میں بار مرکب نہیں جیسے از وغیرہ وہاں یہ
کہہ سکتے ہیں کہ اس حرف کے مقابل میں فلانی حقیقت ہے اور بظاہر اور زبانوں کا بھی یہی حال معلوم
ہوتا ہے اسلئے کہ حروف ہجا کی حقائق سے کسی اور زبان میں تعرض مسموع نہیں ہوا البتہ عربی میں حروف
ہجا کے مقابل حقائق بسیطہ اضافات معلوم ہوتے ہیں وجہ اسکی یہ ہے کہ اسماء و افعال مجردہ عربیہ کم سے کم
ثلاثی یعنی سہ حرفی ہوتے ہیں اسپر یہ دیکھا جاتا ہے کہ فا اور عین میں یعنی اول اور دوم حرف میں مثلاً اشتراک
ہے اور لام یعنی حرف آخر میں اختلاف ہے تو معانی میں اشتراک اور اختلاف ہوتا ہے مثلاً شرف و شرر

ہر کیونکہ عربی زبان میں کتاب خط و کتے ہیں ورنہ دوسرے بھی لکھو سکتے ہیں سوا مضمون ہمارے مورد عبارت
ملائکہ ہو یا فرض کرو عبارت انبیا ہو جیسے اب کتب کی نسبت توراۃ و انجیل خیال ہے تو توراۃ و انجیل کتاب اللہ تو ہونگی
پر کلام اللہ نہ ہونگی اور شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں جا بجا توراۃ و انجیل کا ذکر ہے ہاں وہ تو کتاب کہا ہے کلام اللہ نہیں کہا اور
ایک اور جا سوا قرآن اور کلام کو اگر کلام اللہ کہا ہے تو وہاں توراۃ کا ذکر ہے نہ انجیل کا بلکہ بدلالت قرآن اوس کلام خدا کا ذکر
معلوم ہوتا ہے جو ہمراہیان موسی علیہ السلام نے سنی تھی اور پھر یہ کہا تھا کہ لن نؤمن لک حتی نری اللہ جہرۃ یعنی فقط کلام سے ہم ایمان
نہ لائیں گے خدا کو دیکھ لیں گے تو ایمان لائیں گے اور یہیں سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ اور کتابوں کے معجز بلاغت فصاحت کا دعوی نہیں یہ سبب ہے یعنی
خدا کی کلام ہوتی تو وہ بھی معجز ہوتی کیونکہ یک آدمی کے کلام کا ایک انداز ہوتا ہے چنانچہ مشاہدہ عبارات مصنفین سے ظاہر ہے پھر خدا
تو خدا ہے جب ہر آدمی کے کلام کا ایک جدا انداز ہو باوجودیکہ اوسکی کسی بات کو قرار و دوام نہیں بلکہ ہمیشہ بوجہ انقلاب احوال قلبی
ایک انقلاب ہوتا ہے تو خدای قدیم وحدہ لاشریک لہ کے کلام جسکی ذات وصفات تک تغیر و انقلاب کو رسائی ہی
نہیں کیونکر ایک انداز پر نہ ہوگی الحاصل زبان عربی میں جسقدر فصاحت و بلاغت ممکن ہے اوسقدر اور زبانوں میں ممکن
نہیں مگر ہرچہ بادا باد یہ کمال ہر کسیکو میسر نہیں آ سکتا اول درجہ میں تو اوسکا مستحق خداوند جل جلالہ ہے کیونکہ اوسکا علم
محیط ایسا نہیں جو کوئی بات اوس سے چھوٹی ہو حقائق واجبیہ لیکر حقائق ممتنعہ اور حقائق ممکنہ تک سب اوسکو دین میں
معلوم اور ہر حروف ہجا سے لیکر مواد ترکیبی تک سب اوسکی پیش نظر اور اونکی مدلولات اصلیہ سے اوسکو خبر اسلیے ہر حقیقت کو
پورا پورا لباس الفاظ اور خلعت کلام اوسکی طرف سے عطا ہو سکتا ہے بلکہ مرتبہ کلام نفسی خداوندی میں ہو چکا کیونکہ اوسکا علم سبکا
سب بالفعل ہے کوئی حالت منتظرہ کسی باب میں نہیں جو کسی علم کو اوسکی نسبت بالقوہ کہئے ہاں سوا قرآن شریف
اور خدا کے کلام اور کلمات کی ہمکو اطلاع نہیں اسکی طرف آیۃ ۔ ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من
بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمات اللہ ان اللہ عزیز حکیم ۔ میں اشارہ ہے جسکا ماحصل مطلب یہ ہے کہ اگر تمام روی زمین کے درختوں
کے قلم بنائے جائیں اور دریا کو سیاہی سمندر بلکہ سات ایسے ہی ایسے اور دریا سیاہی بنیں تب بھی اللہ تعالی کی باتیں یعنی اوسکے
کلام پاک جو اوسکے تمام علوم پر دلالت کرے پوری نہوں بیشک اللہ بڑا غالب حکیم ہے اور بعد خداوند علیم و حکیم
مرتبہ بمرتبہ بلند پروازان اوج حقیقت اور شہبازان لطائف معرفت اس دولت بے بہا سے بہرہ ور ہوے ہیں
اور یہ وہ کمال ہے کہ کوئی کمال اوس کے ہم پلہ نہیں ہو سکتا وجہ اسکی یہ ہے کہ کمالات کی دو قسمیں ہیں ایک
کمالات علمیہ یہ کمالات تو قوۃ علمیہ سے متعلق ہیں دوسرے کمالات عملیہ یہ کمالات قوۃ عملیہ سے مربوط ہیں
اور ظاہر ہے کہ قوۃ عملیہ یعنی وہ صفات و اخلاق جو مصدر اعمال ہوتے ہیں اپنی کارگذاری میں اشارہ قوت علمیہ

کے منتظر ہیں اور وہ قدرت بے عمر بیکار ہیں سخاوت شجاعت ظہور اعمال سخاوت و شجاعت میں علم صرف شجاعت
و سخاوت کے محتاج چنانچہ بقدر ضرورت اسکی تحقیق بطور مشتے نمونہ خروارے اوراق گذشتہ میں ہو چکی اسلئے
کمالات عملیہ تمامہا کمالات علمیہ سے نیچے ہونگے پھر کمالات علمیہ میں سے بھی علم انطباق مذکور سب علوم سے
ایسی طرح دقیق اور اعلیٰ ہے جیسے علم حساب ہندسہ سب علوم میں جلی اور ادنےٰ علم حساب ہندسہ کا ادنےٰ ہونا تو
اسی سے ظاہر ہے کہ اوسکے قواعد پر اعتراض نہیں ہوتا مسائل میں وہ اور بدیہات شریک یکدیگر ہیں اور
علم انطباق کے اعلیٰ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ وہ اول تو تمام علوم کو محیط آخر ہر علم کی معلومات کو بیان کی حاجت
اور بیان کو علم انطباق کی ضرورت اسلئے اول تو علم انطباق کیلئے تمام علوم کی معلومات کی فہم کی لیاقت
چاہئے اور ظاہر ہے کہ یہ کیسی دشوار بات ہے دوسرے پھر انطباق و عدم انطباق کی تمیز درکار اور ظاہر
ہے کہ یہ اوس سے بھی دشوار کیونکہ حقائق واجبہ ہوں یا ممکنہ سوائے ذات مقدس جناب باری سب از قسم
اضافت ہیں صفات کا حال خود معلوم ہے اونکا تحقق فاعل و مفعول کے تحقق پر موقوف اگر فرق
ہے تو اتنا ہے کہ صفات مطلقہ تو جنکو افعال متعدیہ سے تعبیر کرتے ہیں فاعل اور مفعول دونوں کی طرف
بقدر ضرورت ذاتی مائل ہیں اور صفات لازمہ فقط فاعل یا مفعول کیطرف متوجہ اور راجع ہوتے ہیں
گو دوسرے کے ساتھ جو علاقہ تھا اصل میں بدستور ہو یعنی ہر صفت متعدیہ کو فاعل و مفعول دونوں سے
ارتباط ہوتا ہے اون دونوں ارتباطوں میں سے فقط ایک کو مخبر عنہ اور مبحوث عنہ قرار دیں تو الفاظ
میں فقط اوسیکی طرف دلالت ہونی چاہئے جیسے ضاربیت و مضروبیت مگر اصل میں ضرب کو ان دونوں
صورتوں میں بھی دونوں سے بدستور علاقہ باقی رہتا ہے اور اضافت ہونے سے جسکے یہ معنی ہیں کہ
کہ تحقق و تعقل میں اپنی دو طرفوں کا محتاج ہو لازم ہو کر نکل نہیں جاتا یہ تو اوس صورت میں ہے جبکہ صفات
جناب باری کو معطل نکمے اور اپنے اپنے مفعولوں سے متعلق سمجھئے اور اگر متعلق ہونے سے قطع نظر کیجے بلکہ اوس
درجہ کو لیجے جو بمنزلہ قوت باصرہ ہو بصارت سے متعلق ہو کر نہو تو اس صورت میں احتیاج الی ذات الباری تو
بدستور ہے ہاں ضرورت مفعول میں بظاہر کلام ہے مگر جب اس بات کو دیکھئے کہ ذات باری مصدر اور
مبدا حرکت صدور و خروج ہے اور معلولات صفات منتہی اور مصدر اور محل ہوتے ہیں اور منتہی مقصود حرکت
و تحریک ہوا کرتا ہے تو پھر ہر صفت میں خواہش مفعول ذاتی اور طبعی ہوگی گو وہ خواہش اسی قسم کی ہو جیسے
سخی کو بضرورت اعطاء فقیر کی ضرورت ہوتی ہے یعنی جیسے سخی فقیر سے کچھ حاصل نہیں کرتا بلکہ

حاصل کروا دیتا ہے ایسے ہی صفات کا حال ہے کہ بے معقولات سے کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ فقط پرتو صفت
ایسی طرح حاصل ہو جاتا ہے جیسے پرتو شعاع آفتاب جو صفت صادر من الشمس ہے زمین کو حاصل ہو جاتا
ہے لیکن ہر چند بادہ بادہ وہ خواہش ذاتی ذات سے کہاں الگ ہو ذات صفت کے ساتھ وہ خواہش بھی وقت
تعقل و ادراک پیش نظر رہیگی اور اسوجہ سے مفعول مطلق کے تعقل کی ضرورت بطور اجمال ہر دم رہیگی غرض یہی بات
ہے دیکھو اضافی جو صفات کا کسی طرح محل قابل نہیں اسمیں صفت وجود ہو یا صفات باقیہ امہات صفات
یعنی اصول ہوں یا صفات باقیہ جو اونہیں کے اجتماع سے پیدا ہو جاتی ہیں جیسے رحمت مثلاً علم ارادہ تکوین اور وجود
سے ملکر حاصل ہو جاتی ہے علی ہذا القیاس غضب وغیرہ کو خیال فرمائیے مگر جب صفات باری کا یہ حال ہے تو
حقائق ممکنہ میں یہ بات کیوں نہوگی ممکن پر تو وجود باری تعالیٰ شانہ ہے و علم ممکن پرتو علم باری تعالیٰ شانہ
وجہ اسکی یہ ہے کہ اور صفات تو وجود کو لازم اور وہ اس صفات وجود سے تو وہ صفات آئیں وجود آئے تو وہ بھی
چنانچہ پہلے بقدر ضرورت یہ بحث معروض ہو چکی ہے اور خود وجود ممکنات کا یہ حال کہ بالعرض یعنی مثل دھوپ جو زمین
میں پرتو شعاع آفتاب اور آفتاب سے مستعار ہے ایک پرتو وجود خدا اور خدا سے مستعار یعین خدا نہیں پر ایسا
جدا بھی نہیں کہ خدا سے کسی طرح کی نسبت استغنا اور انفصال ممکن ہو مگر جب وجود ممکنات پرتو وجود خداوندی ہوا اور وہ وجود
خداوندی جسکا یہ پرتو ہے ایک صفت اور ایک امر اضافی تو پھر وجود ممکن میں استغنا اور استقلال کہاں جو یوں
کہیے وہ اضافی نہیں علاوہ بریں مخلوقات تو تمام مفعول مطلق وجود وغیرہ صفات ہیں چنانچہ اسیوجہ سے اونکو
لفظ مخلوق سے تعبیر کرتے ہیں جیسے خدا کو لفظ خالق سے تعبیر کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مفعول مطلق صفت فاعل
یعنی مبدا فعل اور مفعول بہ کے بیچ میں ایک حد اور اضافت ہوتا ہے مثال درکار ہے تو یہی دھوپ کافی ہے نور
شعاع صفت فاعل اور مبدا فعل ہے اور دھوپ جو ایک سطح نورانی مطابق سطح زمین ہے مفعول مطلق اور زمین
مفعول بہ اور ظاہر ہے کہ وہ دھوپ وہی شعاع اور اس زمین کے بیچ میں ایک حد محدود اور اضافت محسوس
ہے اور کیوں نہو اوسکا تحقق شعاع اور زمین دونوں پر موقوف اور اسوجہ سے اوسکا تعقل بھی دونوں
کے تعقل پر موقوف غرض حقائق ممکنہ میں معنی اضافت صفات مذکورہ سے بھی زیادہ اور پھر حقائق ممکنہ کو
دیکھا تو وہ بھی ایک مرتبہ میں نہیں بلکہ جیسے سطح اضافت بین الجسمین بین البعدین ہو کر پھر خط سے اوپر کے
درجہ میں ہے یعنی خط اضافت بین السطحین کا نام ہے اور نقطہ اضافت بین الخطین کو کہنا چاہیے گو ایک
خط مجموعہ خطین موہوم ہی ہو ایسے ترتب ممکنات سے جو اونکے جوہر اور عرض ہونے سے ہویدا ہے یہ بات پیدا ہے

کہ ممکنات گو تمام از قسم اضافت ہیں مگر پھر کوئی اوپر کے درجہ کی اضافت کوئی نیچے کے درجہ کی اضافت
یعنی کوئی اول اضافت ہے اور کوئی اضافت کی اضافت اور کوئی اضافت کی اضافت کی اضافت
علیٰ ہذا القیاس نیچے تک چلے چلو چنانچہ حقائق شناسان سلیم الطبع خود ہی جانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اول تو
اضافات ہی بنسبت اطراف اضافات مخفی اور دقیق ہوتے ہیں پھر جب اضافت کی اضافت ہوگی یا اوس سے
بھی آگے نوبت پہونچی تو خفا اور دقت کو ترقی کیوں نہوگی اور جب کوئی حقیقت مرکب من الاضافات الکثیرہ
ہو تو پھر اور بھی دقت پر دقت اور خفا پر خفا پیدا ہوگا اور ظاہر ہے کہ بساطت تو فقط حق واجب تعالیٰ شانہ ہے
اوسکے بعد جوں جوں نیچے اوتریے ترکیب آتا جاتا ہے چنانچہ ایک ایک جزے میں ہزاروں کلیوں کا پتا لگتا ہے
اس صورت میں بیان میں یہ دقت پیش آئیگی کہ خدا ہی کرے جو رفع ہو اور علوم میں اگر نظر ہے تو آپ پر ہے کہ مسئلہ
علم کے موضوع اور محمول میں لزوم ذاتی ہے یا نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بات فقط موضوع و محمول کے علم اجمالی پر
موقوف ہے اور انطباق حقائق خارجیہ اور الفاظ کلام میں اسکی ضرورت ہے کہ یہ حقیقت کونسے درجہ کی اضافت
ہے تاکہ اوسی کے مقابل کے حرف حروف ہجا میں سے یا کوئی کلمہ مرکب من الحروف بیان کیا جائے اور ظاہر ہے
کہ یہ بات بدون اسکے متصور نہیں کہ ایکبار رتک کی خبر ہو جائے اور بالتفصیل تمام مراتب اضافات کو طے کر لیا جائے اور
ظاہر ہے کہ یہ بات اتنی دشوار ہے کہ کوئی مسئلہ کسی علم کا اوتنا دشوار نہیں اور واقعی یہ بات پوری پوری بجز خداوند
عالم الغیب والشہادۃ اور کسی سے متصور نہیں یہی وجہ ہے کہ باوجود ضبط حقیقت فصاحت و بلاغت و قواعد
فصاحت و بلاغت آجتک فصاحت و بلاغت کسیکے قابو میں نہ آئی یہ نہوا کہ جیسے بعد علم حقیقت جمع و تفریق و ضبط
قواعد جمع و تفریق ہر قسم کی رقموں کی جمع و تفریق پر قادر ہو جاتے ہیں اور جمع و تفریق کے کر لینے میں فرق کمی بیشی
جمع کرنیوالوں میں نہیں رہتا ایسے ہی بعد علم حقیقت فصاحت و بلاغت و ضبط قواعد فصاحت و بلاغت
سب کے سب یکساں ہو جائیں یا کسی سے کوئی دقیقہ فصاحت و بلاغت کا نچھوٹے اسپر سکرٹری آریہ سماج امرتسر
دیر تک و صاحب ایت المسلمین اس علم کی تحقیقات میں قلم برداشتہ کیا کیا نکات بیان فرماتے ہیں کہ کا ہیکو کسی
نے سنے ہونگے انہوں نے سمجھا ہوگا کہ یہ بھی کوئی دھوتی زار کے بیتنے کی بات ہے جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی صاحب
اس طرز کے سمجھنے والونکو معلوم ہو گیا ہوگا کہ جیسے کمالات عملیہ کمالات علمیہ سے ذوق تھے مجز کمالات علمیہ یکمال دلدادہ
سے خالی ہے مگر از بسکہ سکرٹری آریہ سماج امرتسر بیرو وہ ہنوز فصاحت و بلاغت کو ایک خیالی پلاؤ خیال فرماتے ہیں
فرماتے ہیں کہ مسلمان قرآن کو دل لگا کر پڑھتے ہیں اگر وید کو اسطرح پڑھیں تو وہ بھی اسیطرح اچھا معلوم ہونے لگے

اس کمال کی حقیقت سے آگاہ ہوتے تو یوں فرماتے ماجو میری گذارش کو سمجھ گئے تو سمجھ گئے کہ اس کمال پر سب کمالات ختم ہو جاتے
ہیں اسلئے اس کمال کا اعجاز بھی دیکھو لیگا جو خاتم اہل کمال ہو اسکے اعجاز اور اعجازات علمی سے بھی مثل اخبار غیبیات
و پیشین گوئی فائق رہیگا چہ جائیکہ احیاء موتے و کلام حیوانات و نباتات و جمادات و حرکت نباتات و جمادات و انشقاق
قمر و حنین جذع وغیرہ معجزات عملیہ بالجملہ سیر فہر کمالات بجز خاتم اہل کمال اور کسکو نصیب نہو گا جیسے انشقاق قمر کی ادراک کیلئے
آنکھوں کی ضرورت ہے اور کلام جمادات کیلئے کان کی حاجت اس اعجاز کی اطلاع کیلئے کمال عقل و فہم درکار اور جہاں یہ نہو
تو پھر وہاں حضرت ہدایت المسلمین اور سکرٹری آریہ سماج امرتسر ہی کی بات ٹھیک ہے القصہ یہ کمال حصہ خاتم الکمالات ہے
مگر ظاہر ہے کہ بنی آدم میں وہ لوگ اعلی مرتبہ میں ہونگے جو خدا سے ایسی نسبت رکھتے ہوں جیسے بادشاہ سے حکام
ماتحت یا استاد و پیر سے اونکے خلفاء یعنی حکمرانی اور تعلیم ہدایت میں خدا کے نائب اور خدا کے خلیفہ اور خدا کیطرف سے مامور ہوں
اور یہ وہ لوگ ہیں جنکو اہل اسلام انبیاء کہتے ہیں مگر چونکہ حکام ماتحت بادشاہی متعدد اور متفاوت المراتب ہوتے ہیں اور
خلفاء تعلیم بھی متعدد اور مراتب میں کم و بیش چنانچہ گورنر سے لیکر کنسٹبل تک سب حاکم ہیں مگر ایک دوسرے سے مرتبہ حکومت
و اختیارات میں زیادہ و کم اور مدرس اول سے لیکر مدرس آخر تک سب معلم مگر درجات علم و تعلیم میں زیادہ و کم اسلئے ضرور ہے
جو سب انبیاء کا اسی طرح افسر ہو جیسے گورنر مثلاً سب ملکیات اور تمام حکام کا حاکم اور افسر ہوتا ہے یا جیسے ڈائرکٹر
مثلاً تمام مدارس اور مدرسین کا حاکم اور افسر ہوتا ہے خاتم مراتب کمالات انسانی اور خاتم مراتب کمالات علمی و عملی
ہوگا نہ اوسکے علوم کے برابر اوروں کے علوم ہونگے اور نہ اوسکے حکم کے اوپر کسی اور کا حکم ہوگا اوسکا حکم اور حکمنامہ جو واقعی
حکم و حکمنامہ خداوندی ہوگا کیونکہ نائب خدا ہے اصل حاکم نہیں تمام احکام اور حکمناموں کا ناسخ ہوگا گو وہ
نسخ اس قسم کا ہو جیسے نسخہ مسہل ناسخ نسخہ منضج ہوتا ہے اور پھر اوسکے حکمنامہ کی عبارت تمام حکمناموں
کی عبارتوں سے فصاحت و بلاغت اور علو مضامین اور جامعیت علوم ضروریہ دین میں اعلی اور افضل ہوگی
مگر چونکہ ایسے حاکم بالادست اور مدرس اعلی کا خطاب جسکے اوپر اور کوئی حاکم اور مدرس نہ ہو ایسا ہونا چاہیئے
جس سے ہر کوئی اوسکی افسری اور برتری سمجھ جائے اسلئے اوس افضل المخلوقات کے لئے بھی خدا
کی طرف سے ایسا خطاب ہونا چاہیئے جس سے ہر کوئی یہ سمجھ جائے کہ اس شخص سے اوپر اور کسی کا مرتبہ
نہیں یہ موہبت سو سوائے حضرت سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو میسر نہیں آئی
کسی دین کی کتاب آسمانی میں اور کسی دین کے کسی پیشوا کی نسبت اس قسم کا خطاب نہیں ہاں حضرت
سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا خطاب خاتم النبیین عطا ہوا جس سے صاف عیاں ہے کہ جیسے

گورنر خاتم مراتب حکومت نیابت ہوتا ہے ایسے ہی محی طلب کو خاتم مراتب کمالات نبوت سمجھے جو متضمن کمالات
علمیہ کمالات حکومت ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام خدا کی عظمت و شان و اوسکے احکام سے مطلع ہو کر اوروں کو اوسکی
عظمت و شان سے مطلع فرماتے ہیں اور پھر وہ احکام پہونچا کر تاکید تعمیل فرماتے ہیں اطلاع مذکور تو کمالات علمیہ کیطرف
مشیر ہے اور حکم رسانی اور پھر حکمرانی کمالات حکومت کیطرف اشارہ کرتی ہے اور جب حضرت خاتم النبیین خاتم مراتب
علمیہ و خاتم مراتب حکومت ہوئے تو نہ انکی تعلیم کے بعد اور کوئی معلم تعلیم آسمانی لیکر آئے اور نہ انکے بعد اور کوئی حاکم خدا
کیطرف سے حکمنامہ لائے اور پھر یہ بھی ضرور ہے کہ جیسے گورنر کو مالی ملکی دیوانی فوجداری سب طرح کا اختیار ہوتا ہے اور حکام
ماتحت کو مثل حکام دیوانی و کلکٹری و مدارس و اخبار وغیرہ خاص خاص اختیارات ایسے ہی خاتم النبیین کو بھی فقط لطف
وکرم ہی کا اختیار نہوگا قہر و غضب کا بھی اختیار ہوگا یعنی وہ فقط نائب گاہ رحمت رحیم مطلق اور مظہر احکام رحمت ہی نہوگا
بلکہ نائب گاہ قہر اور مظہر احکام قہر خداوندی بھی ہوگا یعنی جیسی تعلیم و تہذیب اور دہش لطف و کرم کی اونکے مواقع میں
اجازت ہوگی ایسی ہی قہر و جہاد کی بھی اوسکو اجازت ہوگی غرض خاتمیت جہاد اور اختیارات کے ساتھ صاحب اختیار کی علو
شان پر دال ہے ہاں عقل ہو تو کچھ ہی نہیں اور نیز یہ بھی ضرور ہے کہ خاتم النبیین کے ظہور کے بعد نجات اوسمیں منحصر ہو
کہ اوسکا اتباع کیجے اوروں کا اتباع اوسوقت مفید نہوگا اور کیونکر ہو جیسے گورنر کے حکم کے بعد نہ کلکٹری کی کوئی سنتے نہ مجسٹریٹ
کی کوئی سنتے ایسے ہی بعد صدور احکام خاتم النبیین اور انبیاء کرام علیہم السلام کے احکام کی شنوائی نہوگی غرض نجات
جسکو ہنود مکتی کہتے ہیں اس زمانہ میں بے اسکے متصور نہیں کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور اونکے دئیے ہوئے حکمنامہ
یعنی قرآن کا اتباع کیجئے اسپر بھی کوئی نہ مانے تو وہ جانے ۔ بر رسولاں بلاغ باشد و بس اب ناظران اوراق کی خدمت میں التماس
ہے کہ ہماری تقریر اور سکرٹری آریہ سماج امرتسر اور میرٹھ کی تحریر کو دیکھکر فرمائیں کہ کون سمجھکر کہتا ہے اور کون گویم وے
خدانم کیطرح بے سوچے سمجھے دخل در معقولات دیتا ہے اسپر لالہ صاحب سکرٹری امرتسر کی تقریر کو لائق دید فرماتے ہیں
ہاں ایسے ہی گرفتاران دام جہل مرکب کے نزدیک جیسے لالہ صاحب ہیں اگر قابل دید ہو تو کیوں نہیں اس تقریر سے
سمجھ میں آگیا ہوگا کہ سمجھداروں کے نزدیک تو قرآن کی کتاب اللہ اور کلام اللہ ہونے پر اوسکا اعجاز شاہد کافی
ہے ہاں سمجھ نہو تو پھر سارا اعجاز ایسی طرح بیکار ہے جیسے اندھوں کے آگے وہ اعجاز جس میں آنکھ کی ضرورت ہو
مگر چونکہ اہل فہم جہان میں کم ہی ہوتے ہیں اسلئے خداوند عالم نے بروئے لطف و کرم بوجہ جامعیت کمالات
علمی و عملی جس سے اوپر اور کسی فرد بشر میں نہ تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے اور معجزات عملی ظاہرہ
و باہرہ مثل انشقاق قمر و حنین جذع و اطاعت نباتات و تسبیح جمادات وغیرہ جنکی خوبی و کمال سے بیان کی میان

گنجایش نہیں اور رسالہ حجۃ الاسلام میں مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ نے بقدر ضرورت بیان بھی کر دیا ہے اس کثرت
سے ظاہر فرمائی کہ کسی اور بزرگ کے معجزات اور خوارق اوسکے عشر عشیر بھی منقول نہیں اور پھر ہر ایک کی سند
متصل یہ نہیں کہ مثل کتب ہنود و روایات نصاریٰ و یہود بے سند ہوں چنانچہ واقفان روایات حدیث پر
یہ بات پوشیدہ نہ رہیگی اور کسیکو سر اکھانا ہوگا تو سندیں لائے اور دکھلائے غرض کلام مضمون کے لئے قرآن
کے کلام اللہ اور کتاب اللہ ہونے کی وجہ ثبوت اور معجزات ہیں اعجاز علمی نہ سہی مگر ہر چہ باداباد بروئے انصاف و عقل
سلیم قرآن کا کتاب اللہ ہونا واجب التسلیم ہے اور سوا اسکے اور کسی کتاب کا کتاب اللہ ہونا ہرگز پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ
سکتا مگر ہاں شاید کسیکو اسکا انتظار ہو کہ بسم اللہ کے مقدمہ میں لالہ صاحب اور سکرٹری امر تسرنے جو کچھ فرمایا ہے اوسکا
کیا جواب ہے اور دربارہ مضامین جو کچھ اونہوں نے لکھا ہے اوسکی کیا تردید ہے اسلئے یہ گذارش ہے کہ لالہ صاحب
کو تو بسم اللہ کے سمجھنے کا سلیقہ بھی نہیں مضامین قرآن شریف تک تو انکو رسائی کہاں واقعی یوں ہے کہ اونکی
بسم اللہ ہی غلط ہے وہ رحمن کو اسم تفضیل فرماتے ہیں شاید کسی طالبعلم عربی سے لفظ اسم تفضیل سن بھاگے ہیں
اور اوسکو ایسی طرح استعمال کرتے ہیں جیسے کسی جاہل نے کسی ایرانی سے دانم اے نگویم سنکر یاد کر لیا تھا اور پھر باین
غرض کہ ناواقفوں کے سامنے اونکی فارسی دانی معلوم ہو موقع بے موقع جملہ مذکورہ بول دیا کرتا تھا مقصود کو اتنا
تو معلوم ہی نہیں کہ اسم تفضیل اہل صرف کے نزدیک بجز وزن افعل اور کسی وزن میں نہیں ہوتا اگر یوں کہتے کہ رحمن صیغہ
مبالغہ کا ہے تو البتہ بجا تھا مگر اس صورت میں اول تو اعتراض کی کوئی صورت نہیں کیونکہ رحمن اگر صیغہ مبالغہ ہے تو رحیم
بھی صیغہ مبالغہ ہے اور لالہ صاحب تو لالہ صاحب واقفان علم صرف و نحو عربی بھی اگر تمام عمر سر ماریں تو یہ بات کسی کتاب صرف سے
ثابت نہ کر سکیں کہ رحمن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے اور اگر زیادتی مبالغہ رحمن کی نسبت رحیم تسلیم ہی کیجے اور ہم کہتے
ہیں بیشک رحمن میں زیادہ مبالغہ ہے چنانچہ محاورہ دانان عربیہ اور رموز شناسان علم انطباق مذکور جانتے ہیں تو پھر
جواب اعتراض مذکور یہ ہے کہ یہ مقام مدح و ثنا نہیں جو یہ شبہ دلنشین ہو بلکہ موقع استعانت و عجز ہے حاصل یہ ہے کہ با بسم اللہ
فعل محذوف کے ساتھ متعلق ہے وہ محذوف استعین یا ابتدا یا اشرع یا آکل یا اشرب وغیرہ ہوتا ہے غرض جس کام کے شروع
میں بسم اللہ کہتے ہیں اوسی کام پر دلالت کرنیوالا فعل یا مطلق شروع پر دلالت کرنیوالا یا استعانت پر دلالت کرنیوالا
حسب نیت متکلم محذوف ہوتا ہے مگر ہر چہ باداباد مقصود وہی استعانت یا اظہار احسان ہوتا ہے مثلاً کھانے پینے
کے شروع میں بسم اللہ کہتے ہیں تو یہ غرض ہوتی ہے کہ یہ نعمت عطاء خدا ہے ہم اپنی ماں کے پیٹ سے نہیں لائے اور پڑھنے وغیرہ کے
شروع میں کہتے ہیں تو یہ غرض ہوتی ہے کہ کیا ہے اعانت خداوندی بھلا ممکن الحصول نہیں غرض اہل اسلام اس کلمہ پاک

کی بدولت ہر حال میں اپنے خدا کو یاد رکھتے ہیں ہنود وغیرہ کی طرح نہ وہم احسان فراموشی اونکی طرف ہو سکتا ہے
اور نہ گمان استغنا و استقلال اونکی طرف جا سکتا ہے مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ احسان ہو یا اعانت جو مالک مختار حسب
رحم و کرم کا کام ہے لیکن اعتبارات کے کارخانہ میں اول درجہ الا اول ہوتا ہے اور دوم درجہ الا دوم اور سوم درجہ والا
سوم نیچے کے درجہ والا اپنی کارکنی میں اوپر کے درجہ والوں کے اشارہ کا تابع ہوتا ہے اوپر سے حکم صادر ہو تو نیچے والے کرتے تعمیل
ہوا کرے اول حکم اول سے چارہ جوئی مناسب ہے تاکہ پھر کچھ کھٹکا ہی نہ رہے بسم اللہ میں بھی یہی ہے اول درجہ ذات جامع
الکمالات و الاختیار ہے اسکے بعد مرتبہ رحمن تھا اوسکے بعد مرتبہ رحیم اسلئے درجہ بدرجہ تنزل ہے اور یوں نہو تو خلاف
الفاظ ترتیب اصلی کے مخالف ہے اور انطباق مذکور جو اصل فصاحت و بلاغت ہے ہاتھ نہ آئے مگر جنکو شر و دم کی تمیز نہو وہ
ان باتوں کو کیا جانے وہ اگر اپنی کج فہمی کے باعث اس کمال بلاغت و فصاحت پر بسم اللہ کو غیر فصیح و بلیغ کہیں تو
وہ معذور ہیں باقی رہے اور مضامین اون میں سے تخالف مضامین قرآنی تو ایسا غلط ہے جیسا دن کو روشنی
میں اندھیرے کا ہونا ہاں کوئی شخص بوجہ فقدان بصر دن کو بھی اندھا ہی رہے اور اسوجہ سے یوں کہے کہ میرے نزدیک
چاندنی میں بھی اندھیرا ہے جسکا حاصل وہی اجتماع المتنافیین ہے تو یہ اوسکا قصور ہے ایسے ہی کوئی نادان بوجہ نادانی
و بدفہمی اگر مضامین قرآنی میں اپنے نزدیک تخالف بتلائے تو یہ اوس کا قصور ہے اوسکے سوا جہاد کا حال تو کسیقدر
معلوم ہی ہو گیا ہاں اتنی بات باقی رہی کہ سری رامچندر اور سری کرشن اور امرتھ وغیرہ کی لڑائیاں اگر اعلاء کلمۃ
اللہ اور ترقی دین کیلئے تھیں تو یہی جہاد ہے اور اگر بغرض حصول متاع قلیل دنیا یا غیرت و عزت دنیا تھیں تو
خدائی بابزرگی پر اس طلب دنیا اور دنیا داری کے کیا معنی تو اس کی سنئے خداتعالی نے بندوں کو اپنی عبادت کیلئے
بنایا ہے اور مال و دولت اونکے رفع حوائج کیلئے بنایا ہے اور یہ ایسا قصہ ہے جیسا گھوڑا سواری کے لئے اور گھاس دانہ
گھوڑے کے لئے سو اگر کوئی گھوڑا سواری نہ دے تو وہ اس قابل ہے کہ اوس کے تو گولی ماریں اور اوس کے حصہ
کا گھاس دانہ اون گھوڑوں کو دیں جو سواری دیں ایسے ہی جو بندہ بندگی نہ کرے تو وہ تو اس قابل ہے
کہ اوس کا کام تمام کیا جائے یہ تو جہاد ہوا اور اوس کا مال و دولت بندگی کرنے والوں کو تقسیم کیا جائے
یہ غنیمت یعنی لوٹ ہوئی حصہ پیغمبری کا حال سنئے سفیران بادشاہی کا خرچ بادشاہ کے ذمہ ہوتا ہے
سفیران خداوندی کا خرچ خدا کے ذمہ کیوں نہو گا کیوں تو سارا جہان خدا کا ہے اور کیوں نہو وہی خالق
ہے وہی مالک بھی ہوگا بادشاہان دنیا و سارے ملک کو اپنا ملک یوں ہی بزور دستی سمجھتے ہیں
پر خدا ایسے واقعی سارے جہان کا مالک ہے لیکن جیسے وہ مال جو بازمان سرکاری بحکم سرکار ضبط کر لیں

حق خدا سرکاری ہوتا ہے وارثان و متعلقان صاحب مال کا حق نہیں ہوتا ایسی ہی وہ مال جو بندگان جانثار
عز و رزی کر کے مخالفان خدا اور غضبان خدا و ندعالم سے ضبط کر کے لائیں خالصۂ خداوندی سمجھا جائیگا اور
صرف بندگان خاص کو اوسمیں سے دلایا جائیگا عورتوں کی مجامعت کی نسبت قرآن شریف میں اول سے آخر تک
کہیں یہ حکم نہیں کہ شب و روز یہ کام کیا کرو معترض احول عقل اگر کچھ کا کچھ سمجھ جائیں تو اونکی عقل کا قصور ہے ہاں
اپنی بی بیونسے مجامعت کی اجازت ہے سو یہ کونسی بڑی بات ہے آپکے ہاں اگر ممانعت ہوتی اور یہ حکم ہوتا کہ بی بی
کو ماں بہن بیٹی کی جگہ سمجھا کرو تو البتہ آپکو اختیار اور مجال اعتراض تھی بے کس ہونہت آپ اعتراض کرتے
ہیں نسبت قرآن شریف میں مجامعت شب و روز کی تاکید ہے نہ ترغیب البتہ عبادت اور ذکر کی ہر حال
میں ترغیب ہے مگر لالہ صاحب کو یہ بات کہیں نظر نہ آئی بوجہ تیرہ درونی کچھ کا کچھ ہی سمجھے تو کیا سمجھے رہا غلاموں کا قصہ
آپ کی عبارت بے معنی سے تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیا کہتے ہیں بفقط لفظ غلامونکو لکھکر رہگئے سوا اس شعر دوں کا
کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے ۔ مگر آپکے فہم نارسا کی رسائی پر دو ہی باتیں سوجھتی ہیں یا اصل غلامی
سے انکار ہو یا اوسمیں کسی فعل بد کیطرف اشارہ او ربظاہر آپکے فہم سے یہی زیادہ امید ہے کہ آپ یہاں ہی پہونچے
ہونگے اگر یہ ہے تو اسکا یہ جواب ہے کہ یہ فعل تو اہل اسلام کے نزدیک اسقدر شنیع ہے کہ اور دونکے یہاں عشر عشیر
بھی اوسکی ممانعت نہوگی قرآن و حدیث دونوں میں اسکی ممانعت موجود اور یہاں تو یہاں آخرت میں بھی اسکی
اجازت کا پتہ نہیں وہاں کے غلامونکا جہاں ذکر ہے تو فقط خدمت ہی کا ذکر ہے چنانچہ لفظ یطوفون وغیرہ جو
اس مضمون میں وارد ہے وہ خود شاہد ہے اور اگر اصل غلامی سے انکار ہے تو اوسکا جواب یہ ہے کہ خداوند علیم و خبیر
قواعد انتظام یورپ کا پابند نہیں وہ خود مختار ہے جو چاہے حکم دے با اینہمہ عقل سلیم کے نزدیک یہ حکم اس درجہ
مستحسن ہے کہ اہل عقل ہی جانتے ہیں گھوڑا اگر سواری نہ دے تو گو عراقی ہو گدھے سے کم ہے اور کیوں نہو گدھا
کچھ تو کام دیتا ہے ایسے ہی جو آدمی بندہ ہو کر بندگی نہ کرے یعنی اطاعت حکم مولا نہ کرے اور اوسکے نائبوں
اور حکناموں کو نہ مانے وہ جانوروں سے بھی پرے ہے اور کیوں نہو جانور سرتابی تو نہیں کرتے جو معتوب
خدا ہوں پھر اسکے کیا معنی کہ گائے اور بیل تو ہندوؤں کا معبود ہو کر بھی ہندوؤں کا مملوک ہو جائے اور اوسکی
بیع و شریکا اختیار ہو اور مخالفان خداوندی جو جانوروں سے بھی پرے ہیں خدا کے ملازمان خاص اور بندگان
بالاختصاص کے ملک میں نہ آنے پائیں ۔ اور جنت کے شہد اور دودھ کی نہروں سے بھی آپ کو نفرت اور کدورت
ہے اور کیوں نہو مذاق عقل اسقدر درست ہے پر بھی نفرت اور کدورت نہو نہ معلوم خدا کو لالہ صاحب کی خیال کے

بہشت میں غلاموں کی بابت غلط فہمی

بتایا ہم بھی محال اعتراض کا پتہ و دیر سے نہیں بیان کرتے مگر ہرچند باد گناہوں میں بھی شرک سب گناہوں سے بڑھا ہوا ہے اور
خلاف واقع ہونے میں بھی خبر شرک اور غلط خبروں سے بڑھی ہوئی ہے یعنی اگر فرض کرو آفتاب کا اوترنا اور زنا کی غلط
ہو تو نہ ایسا محال ہے جیسا مدلول شرک یعنی غیر خدا کا مستحق عبادت ہونا اور نہ اتنا بڑا گناہ ہے جتنا شرک زنا
ایک کیا ہزار کیوں نہو جب ایک شرک کی برابر نہیں ہوسکتا رہا حسب مراد حضرت پیغمبر صاحب صلے اللہ علیہ وسلم
احکام کا آنا خدا جانے کس نشہ میں آپکو یہ بات سوجھی ہے قرآن میں بہت مواقع میں آپ کی خلاف مرضی اور
خلاف آرزو احکام آئے ہوئے موجود ہیں اور کہیں یہ نہیں کہ احکام خداوندی موافق رائے نبوی ہیں بلکہ
ان الحکم الا للہ وغیرہ آیات سے سب کی بے اختیاری اور عدم مداخلت ثابت ہے اور اگر کہیں بنظر ترقی دینی کسی بات
کی آرزو ہوئی اور اوسکے موافق حکم ہو گیا تو اسمیں خدا کی خدائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بندگی میں
کیا فرق آگیا جو اتنا انکار ہے بلکہ ترقی دین کیلئے کسی حکم کا انتظار کرنا یا اپنی رفعت مراتب کیلئے کسی حکم کا آرزومند
ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بندگی اور بیچارگی اور خداوند عالم کی خداوندی اور خودمختاری پر اور بھی دلیل
کامل ہے اب خدا کی قسموں کی بابت سنئے اسمیں اگر اسوجہ سے کلام ہے کہ بندہ خدا کی قسم کھاتا ہے اگر خدا بھی کسی کی قسم کھائے تو
یوں کہو جسکی قسم کھائی وہ خدا کا بھی خدا ہوا تب تو یہ خیال باطل آپ ہی کا ایجاد بندہ ہے قسم اوسکی کھایا کرتے ہیں
جو سب میں زیادہ عزیز ہو سو بندوں کو سوا خدا کے اور کوئی عزیز نہونا چاہئے اسلئے سوائے خدا اوروں کی قسم اونکو ممنوع ہوئی مگر خدا
کو سارے جہاں سے پیارے بندے اور عمدہ مصنوعات پیارے ہیں اسلئے اوسکے حق میں اونکا قسم کھانا برا نہیں ہوسکتا اور اگر آپکو
سے خدا کی قسموں میں تامل ہے کہ خدا کو یہ بات زیبا نہیں تو اول تو زیبا نہونیکی کیا وجہ اعتراض کیا تھا تو وجہ بھی بیان کرنی
تھی بیوجہ اعتراض کرنا ایسا ہے جیسا کسی نے کہا ہے لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں دوسرے ایک خبر ہوتی ہے ایک حکم
ہوتا ہے حکم میں تو قسم کا محل ہی نہیں ہوتا کیونکہ تاکید واقعیت کیلئے قسم کھایا کرتے ہیں سو واقعیت غیر واقعیت حضر خبر کی
احتمال اور اوسکے منکر کا ہی نہیں اسلئے حکم میں اگر نہو اور خبر میں قسم ہو تو مزید توثیق و اطمینان ہے سو جہاں دلائل اثبات
نبوت سے بندوں کے اطمینان کئے جاتے ہی وہاں اس قسم کا اطمینان بھی ہو تو زیادہ لطف کی بات ہے علاوہ
بریں یہ باتیں مزید قرب نبوی و بعد مخالفین پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ قسمیں وقت لطف و انبساط کھایا کرتے
ہیں یا وقت قہر و غضب و رنج و ناخوشی مگر بروے عقل وہی غضب محل قسم ہونا چاہئے جو مقابل لطف
و انبساط ہو سو بوجہ قرب منزلت جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مورد عنایت و لطف
و انبساط ہوتے ایسے ہی مخالفان حضرت مورد عتاب مشار الیہ کیونکہ جسقدر آپ پر کرم ہوگا اسیقدر

آپکے مخالفوں پر قہر لازم ہے اسلئے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب میں خدا تعالی کا قسمیں
کھانا آپکے قرب منزلت پر دال ہے ویسے ہی مخالفان نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے خطاب میں قسموں کا کھانا
اون کے مقہور و مغضوب ہونے پر دلالت کرتا ہے اور در حقیقت یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
علو شان اور قرب منزلت کیطرف مشیر ہے مگر ہاں جو کتاب خدا کی کتاب نہو یا کتاب ہو کر خدا کا کلام نہو
یا وہ شخص جسکو وہ کتاب عطا ہوئی ہو ایسا مقرب نہو جو وہ مورد لطف و انبساط اور اوسکے مخالف مورد
عتاب و انقباض بقدر مذکور ہوں تو پھر اگر اوس کتاب میں قسم نہو تو اور کیا ہو اور اوس کتاب والے
لطف قسم مذکور کو جانیں تو کیا جانیں بانگی رلاج کا قصہ اوسپر بھی لالہ صاحب ناک مونہہ چڑھاتے ہیں مگر عقل
نہو تو اور کیا کریں اسلئے موجب اطاعت یا حکومت حاکم ہے یا محبوبیت محبوب حکومت کے مقابل میں
اودہر خوف ہوتا ہے اور محبوبیت کے مقابلہ اودہر محبت مگر سب جانتے ہیں کہ اطاعت خوف اطاعت محبت کے
ہم پلہ نہیں ہو سکتی ہاں جسکو محبت کی باتوں کی خبر نہو وہ کیا جانے لیکن آداب حکومت اور ناز محبانہ کا ایک
انداز نہیں ہوتا وہاں خودداری ہے تو یہاں از خود رفتگی وہاں سنجیدگی ہے تو یہاں دیوانگی وہاں
دربار کیلئے دستار و قبا کی ضرورت ہے تو یہاں کوچہ یار میں جانے کیلئے سر برہنہ پا برہنہ درکار وہاں اگر اصلاح
و حجامت کی ضرورت تو یہاں نہ سر کی خبر نہ ناخن کی فکر وہاں اگر دست بستہ مودب کھڑے ہوتے ہیں تو
یہاں پروانہ وار اپنی شمع کے نثار ہونا پڑتا ہے وہاں اگر انتظار اجازت میں در پر استادہ ہیں تو یہاں
شوق دیدار میں کوچہ کے اس سرے سے اوس سرے تک ٹکرے مارے پھرتے ہیں وہاں اگر کوئی ایسی ویسی
سنا کر روک دے تو رہ جائیں اور یہاں ناصح نادان کو پتھر حوالہ کریں وہاں اگر بجبر کچھ نذر پیش کرتے ہیں تو یہاں
بدل و جان جان و مال کو قربان کرتے ہیں غرض کہانتک کہئے محبت کیش خود جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے وہ
کیا جانیں مگر جسکو یہ معلوم ہوگا وہ ارکان حج پر تو کیا اعتراض کریگا البتہ یہ سمجھ جائیگا کہ جس دین میں یہ
حکم نہیں تو نہ وہ دین اعلی درجہ کا دین ہو سکتا ہے اور نہ وہ نبی جو وہ دین لیکر آیا ہے اعلی درجہ کا مقرب ہو سکتا
ہے کیونکہ محبت اعلے مقامات سلوک میں سے ہے خوف تو ایک وجہ سے محبت کے ماتحت ہے کیونکہ اپنے مطاع اور
حاکم کی محبت نسبی پر جبھی ہے کہ اوسکے زوال کا خوف ہے اگر اوسکی محبت نہو تو نہ خوف ہو اور نہ اطاعت ہو پر محبت
کسیطرح خوف کی ماتحتی میں نہیں اور سوا اسکے اور اوصاف حمیدہ مثل حسن اخلاق و سخاوت وغیرہ وہ سب
ہی کامگذار ہیں محبت کے محتاج ہیں کچھ شائبہ محبت ہوگا تو حسن اخلاق اور سخاوت ہوگی نہیں تو نہیں اور اگر

اوسکی محبت نہو جسکے ساتھ حسن اخلاق وسخاوت ہو تو اوسکے مال اور ثواب کی محبت تو کہیں نہیں گئی غرض
کمالات عملیہ میں سے محبت سب پر حاکم ہے اسلیئے وہ عبادات جو اوسکے متعلق ہوا اور دوچار روز بیچ بڑھکر ہوگی اور وہ
عبادت نہوگی تو یوں جانو وہ دین مثل اوس دین کے کامل جسمیں اس قسم کی عبادت ہو اور نہ وہ شخص با اوس عبادت کے
شرف نہیں ہو اپنیشت وکار اعمال دیکھے ہم آپ جو شرف رکھتے ہیں لیجئے آپکے واہیات خرافات کا جواب تو ہوچکا آپکے
دو سوال پھر جو چاندا پور میں پیش ہوئے تھے تحریر تو آپکی تحریر سے ثابت ہوا کہ وہ سوالات پنڈت جی ہی نے تجویز کیئے تھے چنانچہ
عبارت (ہان ہم اگر اس سوال پر کہ خدا نے دنیا کو کس چیز سے بنایا ہے ناز کریں تو بجا ہے الخ) جو صفحہ ۲۲ سطر ۱۲ میں واقع
ہے اسپر شاہد ہے غرض جو شخص آپکے اس رسالہ کو دیکھیگا وہ اتنی بات سمجھ جائیگا کہ پنڈت جی نے وہ سوالات تجویز کیئے تھے
اور پھر بعد تحقیق آپکی وہ ڈھنگی اور مولوی محمد قاسم صاحب کے کمال کا کیونکر قائل نہوگا یعنی پنڈت جی ہی سوال تجویز کریں اور
پھر انکے جواب ہم تم جوابات مولوی صاحب موصوف نہوں اسکے معنی بجز اسکے اور کیا ہیں کہ جس بات کو بزعم خود سوچے
سمجھے بیٹھے تھے ایک شخص کی تقریر طبعزاد کے سامنے گرد ہوگئے علاوہ برین یہ بھی کہیں دستور ہے کہ اپنے
ہی آپ سوال تجویز کریں اور پھر مصر کر امتحان میں اون لوگوں کی برابر بیٹھیں جو بالکل بیخبر ہیں یہ کام اوسی
کا ہوتا ہے جو لیاقت امتحان نہیں رکھتا اسکے بعد یہ عرض ہے کہ ہمارے تو پانچ چھ سوال ہضم کیئے بیٹھے ہو اور دوسرے
سوال پیش کرتے ہو اسکے یہ معنی کہ انکے جواب تو آتے نہیں ان سوالوں ہی کو پیش کرکے وقت کو ٹالیئے
سنئے اول ایک بحث سے فارغ ہو لیں جب کہیں اور جائیگا اور پھر آپ چلیگے اور آپکے پیچھے پیچھے ہم ہونگے
باایں ہمہ دو سوالوں پر چاندا پور میں بحث رہی تھی پنڈت جی نے تو جتنے زور مارے تھے وہ شے زائد روداد
میلہ چاندا پور میں مندرج ہے اور مولوی محمد قاسم صاحب کی تقریر بعض احباب راقم کے پاس غیر مطبوع ہے دھری
ہے یا اوسکو منگا لیجئے اور ملاحظہ فرمائے یا پھر خیالات مرزوضہ رسالہ ہذا کو مطالعہ فرمائیگا اور پھر جو کچھ فرمانا ہو فرمائیے
جس میں بھی دونوں سوالوں کا جواب بلکہ پانچوں سوالوں کا جواب اور باتوں کی ضمن میں عرض کردیا ہے کوئی مطول
ہے کوئی مختصر ہے غرض یہ نہوگا کہ آپ جان چھوڑا کر بحث اصلی سے نکلجائیں شعر ہمکو فریب دیگے کہاں
تک ہم آپکے واقف ہیں بات بات کے اور گھات گھات کے + لالہ صاحب ذرا تو مقابلہ میں ٹھہریے ٹھیرے ابھی
کے دن ہوئے جو یہ اوڑان گھائیاں بتلانے لگے ہیں سچ کہتا ہوں انشاءاللہ پھر انشاء اللہ خدا کی مدد سے ایسا
چت کیا ہوگا کہ تم بھی یاد ہی رکھوگے آپ اسکو بوجہ بیخبری تکبر کہتے ہیں اور ہم اسکو عین عجز سمجھتے ہیں تماشا
ہے کہ آپ تو بوجہ خوشامد ملکہ معظمہ کو اتنا بڑھا لیں کہ اونکی عظمت اور شوکت اور حسن انتظام کے مقابل کسی

بادشاہ کی حقیقت نہیں اور ہم خدا کے بھروسہ اور اوسکے دین پاک کی حقانیت کے اعتقاد پر اگر یہ
یقین کریں کہ اور سے مدد ورا نہیں ہو سکتے تو یہ کفر ہو جاے یہاں بھی آپکو کفر ہی کی سوجھی لالہ صاحب یہ خدا
کی اور اوسکی ہی کی بڑائی ہے ہماری بڑائی نہیں ہماری عاجزی تو اسی سے ظاہر ہے کہ اپنے آپکو بندہ مجبور
سمجھکر سر نیاز خم کر لیا اور اطاعت کی ٹھان لی تکبر تو جب ہوتا کہ آپ کی طرح ہم بھی سرتابی کرتے اگر
کوئی سپاہی معرکہ جنگ میں یا کوئی سفیر کسی دربار میں فخریہ یوں کہے کہ ہم یوں کرینگے تو یہ اوسکا فخر نہیں
ہوتا اوسکے آقا کا فخر و افتخار سمجھا جاتا ہے اب سنئے اگر آپ کو میدان مباحثہ سے بھاگنا ہے تو صاف
صاف کہدیجے بہر وجہ دعوی قدامت مذہب پہلے ان سوالوں کے جواب لکھئے پھر ہم سے طلب
کیجے ہے جب آپنے مذہب کو منسوخ یا باطل سمجھکر چھوڑا ہے اگر آپکو اثبات مذہب مدنظر ہے تو دعوی
حقیقت مذہب کو پیش کیجے اور نہ پیش ہو سکے تو پھر ہم سے پوچھئے غرض یہی سوال ہمی پر سوال پیش شدہ
کے جواب سے درماندگی ظاہر کر کے اول آپ کچھ بولئے اور نہ بولا جائے تو معترف عجز ہوکر ہم سے پوچھئے پھر انشاء
اللہ ہمیں بتلائیں گے بلکہ انہیں اوراق میں سے نکالکر دکھلائیں گے اور منشی محمد حیات صاحب بیچارہ کا آپ
ناحق ذکر کرتے ہیں وہ صاحب اخبار ہیں جو کوئی کچھ بھیجدے چھاپنے کو وہ اوسکی چھپائی کا منصب رکھتے ہیں
اگر آپ بھجواتے اور وہ نہ چھاپتے تو البتہ جائے شکایت تھی غرض وہ صاحب اخبار ہیں معترض وجہ نہیں باقی
رہی پنڈت جی کی تعریف اور مولویصاحب کی توہین اوسکا حال یہ ہے کہ اگر چاند پر خاک ڈالنے اور بشروں کے
پھیکے کی چاند بنانے سے کام چلا کرتا تو آپ کی یہ سخن سازی اور جعلسازی بھی چل جاتی مگر ہاں تمہاری
پیش قاضی آتی راجھی آتی اسلئے پنڈت جی بھی آپکے دل میں بسے ہوئے ہیں اسکے ساتھ اگر آپ اتنا
اور بھی رقم فرماجاتے کہ پنڈت جی بھاگے پھرتے ہیں اور مولویصاحب اونکے پیچھے پیچھے ہیں تو پنڈت جی
کی فتحمندی اور مولویصاحب کی شکست اور اون کی چارہ جوئی خوب آشکارا ہوجاتی ہم بھی اس
فرار و تعاقب سے انکار نہ کر سکتے اسوقت بجز اسکے اور کیا عرض کروں شعر ذوق ؎ پھولے ہے
گل کی نزاکت پہ چمن میں بلبل ✤ اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے ✤ و آخر دعوانا ان الحمد
للہ رب العالمین ✤ نویں یا دسویں رمضان شریف ۱۲۹۹ھ کو لکھنا شروع کیا تھا اور بحمد اللہ
تعالیٰ ۱۲ ماہ مذکور روز شنبہ کو ختم کیا ✤ گر قبول افتد زہے عز و شرف فقط۔

تمت

التماس راقم بخدمت لالہ انند لال صاحب سکرٹری آریہ سماج میرٹھ

لالہ صاحب آپ کی بدزبانی کے صلہ میں میں نے بھی آپکا اور آپکے بعض احباب کا ذکر کرکے اپنی اوقات ضائع کی ہے اگر آپ فہیم ہونگے تو ایکی بار سمجھ ہی جائیں گے اگر آپ اسپر بھی باز نہ آئے تو ہم بھی یوں سمجھکر ع کلوخ انداز را پاداش سنگ ست * آپکی یادداش کیلئے آئندہ کو دست بسنگ ہیں خیر اس باب میں تو آپکو اختیار ہے مگر اتنا ملحوظ خاطر رہے کہ اس جواب کا جواب ایسا نا معقول نہو جیسا اعتراض کا جواب تھا اگر ویسا ہی لکھو تو دلکو اپنے بستہ ہی میں رہنے دینا دیکھنے والوں کی اوقات خراب نہ کرنا ہاں اگر ایسا جواب پورا لکھا جیسا ہمنے بات بات کا جواب لکھا ہے۔ اور کیا لکھو گے کچھ لیاقت ہو تو لکھو۔ تو پھر یوں امید ہے کہ ہمارے آپکے انشاء اللہ خوب رنگ گہری چھنے گی اور دیکھنے والے خوب ہی سیر دیکھینگے جب سے اس نیاز نامہ کو شروع کیا ہے آپ ہی کا دھیان رہتا ہے * ؎
رہتا ہے سر زلف معنبر کی دن بسے * کالی کا جاپ کرتا ہوں منتر کئی دن سے * مگر دیکھئے اسکا انجام کیا ہوتا ہے آپ کس رنگ کا بھیس بدلتے ہیں اور اس کے جواب میں آپ لطف کرتے ہیں یا ستم کرتے ہیں غیر ہمارا کام انتظار ہے جس طرح چاہو پیش آؤ فقط۔

الراقم بندہ کمترین گنہگار عبد العلی عفی عنہ۔

۲۱- رمضان سنہ ۱۲۹۶ھ روز سہ شنبہ